۱۲۔ سورہ یوسف

نام یہ سورہ اللہ کے پیغمبر یوسف علیہ السلام کی سرگذشت پر مشتمل ہے اور اس مناسبت سے اس کا نام سورۂ یوسف ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے۔ اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ سورۂ ہود کے بعد نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون یوسف علیہ السلام کی بے داغ سیرت کو نمایاں کرتے ہوئے ان کی دعوت کو پیش کیا گیا ہے۔ اور مخالفین حق پر یہ واضح کیا گیا ہے کہ ان کی مخالفانہ کارروائیوں اور سازشوں کا توڑ اللہ تعالیٰ کی خاموش تدبیریں کس طرح کرتی ہیں۔

نظم کلام آیت ۱ اور ۲ تمہیدی آیات ہیں۔ آیت ۳ تا ۱۰۱ میں سرگذشتِ یوسف بیان ہوئی ہے۔

آیت ۱۰۲ تا ۱۱۱ خاتمۂ کلام ہے۔ جس میں اس واقعہ کے پیش نظر تذکیر کے پہلو پیش کئے گئے ہیں۔

پچھلی سورہ سے مناسبت سورۂ یوسف کو سورۂ ہود سے کافی مناسبت ہے۔ ایک تو اس پہلو سے کہ سورہ ہود میں متعدد انبیاء علیہم السلام کی سرگذشتیں بیان ہوئی ہیں اور اس سورہ میں تفصیل کے ساتھ یوسف علیہ السلام کی۔ دوسرے اس پہلو سے کہ سورۂ ہود کی آخری آیتوں میں جو باتیں ارشاد ہوئی ہیں، ان سے یہ سورہ پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ مثلاً وہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرمایا گیا تھا کہ یہ انبیائی سرگذشتیں تمہارے دل کو مضبوطی عطاء کرنیوالی اور مبنی برحقیقت ہیں۔ اور مؤمنین کے لئے موعظت اور یاددہانی ہیں۔ یہ باتیں سورۂ یوسف میں بھی بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ وہاں مخالفین سے کہا گیا تھا کہ آخری فیصلہ کا تم انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ اس کے بعد سورۂ یوسف نے گویا اس بات کی نشاندہی کردی کہ حالات کیا رخ اختیار کرنے جارہے ہیں۔ اور کٹھن مرحلوں سے گذرنے کے بعد کس طرح نبی ﷺ کو زمین میں اقتدار اور غلبہ حاصل ہونے والا ہے۔ اور آپ کی برادری کے ان لوگوں کو جو برادران یوسف کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ کس طرح شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔ سورۂ ہود کی آخری آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پر توکل کی ہدایت دی گئی تھی۔ اس سورہ نے یوسف علیہ السلام کے توکل کی بہترین مثال سامنے رکھ دی، ساتھ ہی توکل کے نتائج بھی پیش کردیئے، جو اس بات کا ثبوت ہیں، کہ جو شخص صحیح راہ عمل اختیار کر کے نتائج کو اللہ پر چھوڑ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا کام بناتا ہے اور کامیابی اس کے قدم چوم لیتی ہے۔

خاندان اور جائے سکونت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ایک بیٹے اسحاق کو فلسطین (کنعان) میں آباد کیا تھا۔ اسحاق علیہ السلام پیغمبر تھے۔ ان کے بیٹے یعقوب کو بھی جن کا دوسرا نام اسرائیل ہے، اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا۔ ان کے جیسا کہ بائبل کا بیان ہے ان کے بارہ بیٹے تھے جن سے بنی اسرائیل کا سلسلہ چلا۔ یوسف اور بن یمین چھوٹے تھے اور ایک بیوی سے تھے اور دوسرے بیٹے دوسری بیویوں سے۔ یہ خاندان فلسطین کے علاقہ حبرون میں رہتا تھا۔ اور ان کا زمانہ تقریباً اٹھارہ سو سال قبل مسیح کا ہے۔

کنعان اور مصر (زمانہ یوسف میں)

حبرون: حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب یہیں رہتے تھے۔
اس کا دوسرا نام الخلیل ہے۔

رعمسیس: مصر کا قدیم دارالسلطنت۔

جُشن: مصر کا وہ علاقہ جہاں حضرت یوسف نے بنی اسرائیل کو آباد کیا۔

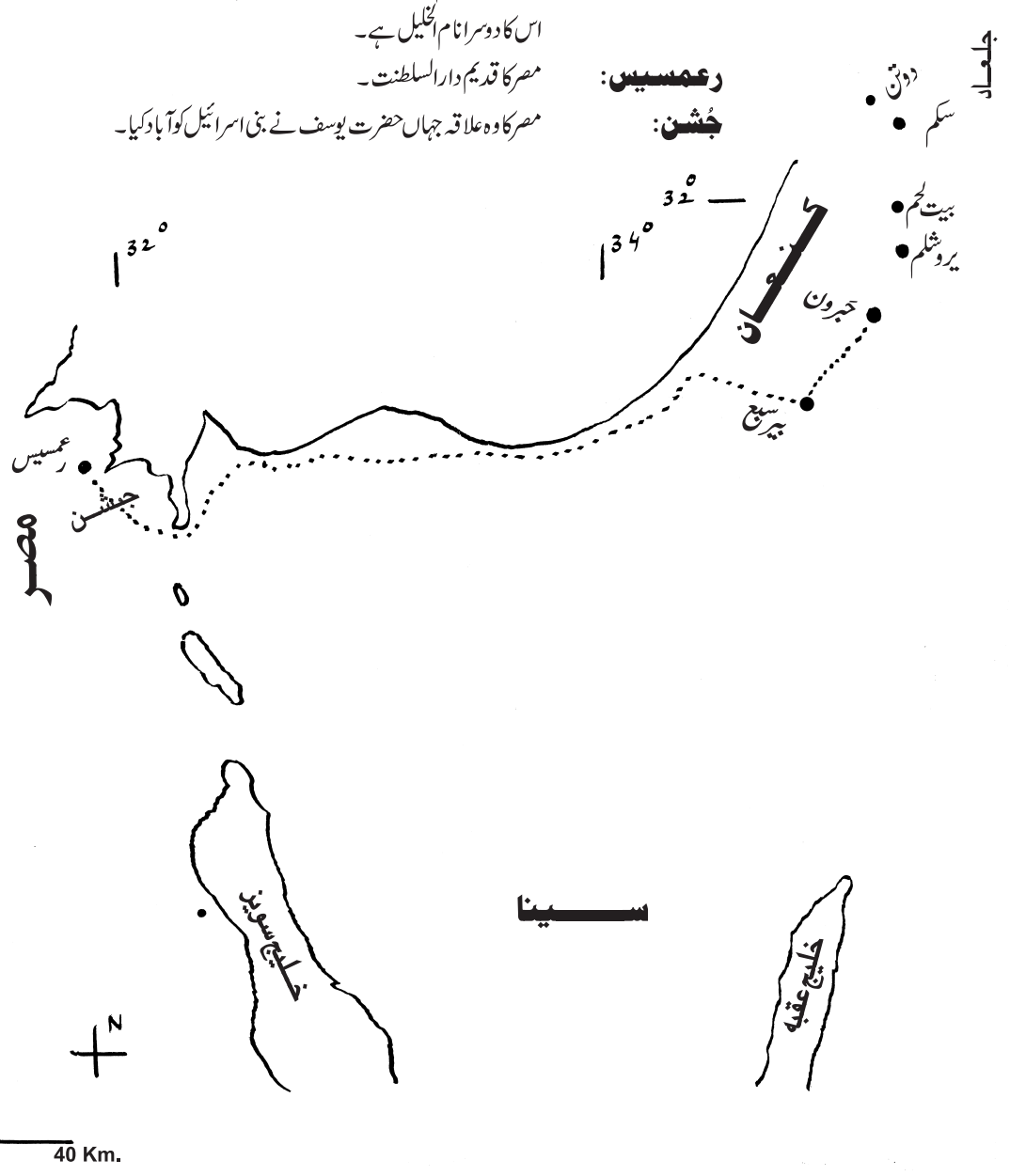

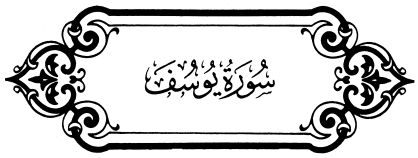

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۱

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۲

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۚ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝۳

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝۴

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۵

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝۷

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۭ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۨ ۝۸

اِقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝۹

(۱۲) سُورۃُ یوسف

آیات ۱۱۱

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ الف۔لام۔را ۔ ۱ے یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی۔ ۲ے

۲ ہم نے اس کو عربی قرآن کی شکل میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھو۔ ۳ے

۳ ہم تمہیں بہترین سرگزشت سناتے ہیں ۴ے اس قرآن کے ذریعہ جس کی وحی ہم نے تمہاری طرف کی ہے، ورنہ اس سے پہلے تم اس سے بالکل بے خبر تھے۔ ۵ے

۴ جب ایسا ہوا کہ یوسف نے اپنے باپ سے کہا ۶ے ''ابا جان! میں نے (خواب میں) دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند ہیں اور کیا دیکھتا ہوں کہ یہ میرے آگے جھک گئے ہیں۔'' ۷ے

۵ اس نے کہا ''اے میرے بیٹے! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں گے ۸ے۔ یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

۶ اور اسی طرح تمہارا رب تمہیں چن لے گا ۹ے اور تمہیں سکھائے گا باتوں کی اصل حقیقت معلوم کرنا ۱۰ے اور وہ اپنی نعمت تم پر اور آل یعقوب پر اسی طرح پوری کرے گا جس طرح اس سے پہلے وہ تمہارے دادا ابراہیم اور اسحاق پر کر چکا ہے ۱۱ے۔ بے شک تمہارا رب علم والا حکمت والا ہے۔ ۱۲ے

۷ درحقیقت یوسف اور اس کے بھائیوں کی سرگذشت میں پوچھنے والوں کیلئے بڑی نشانیاں ہیں۔ ۱۳ے

۸ جب ایسا ہوا کہ وہ (یعنی برادران یوسف) کہنے لگے یوسف اور اس کا بھائی ہمارے والد کو ہم سب سے زیادہ پیارے ہیں ۱۴ے حالانکہ ہم ایک جتھا ہیں ۱۵ے۔ یقیناً ہمارے ابا کھلی غلطی پر ہیں۔

۹ یوسف کو قتل کرو یا اُس کو کسی جگہ پھینک دو تاکہ تمہارے والد کی توجہ تمہاری ہی طرف ہو جائے اور اس کے بعد تم نیک بن جاؤ گے۔ ۱۶ے

۱۔ ان حروف کی تشریح سورۂ یونس ۱۔ میں گذر چکی۔

اس سورہ میں الف کا اشارہ اللہ (توحید کے مضامین) کی طرف، لام کا اشارہ لَا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ (اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ آیت ۴۰) کی طرف، بالفاظ دیگر شرک کی تردید کی طرف اور ''را'' کا اشارہ رب (اللہ کی ربوبیت) کی طرف ہے جس کا ذکر متعدد آیات میں ہوا ہے۔ نیز ان رویائے صادقہ (سچے خواب) کی طرف بھی، جس کا ذکر اس سورہ میں خصوصیت کے ساتھ ہوا ہے۔ اور جو رب کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

۲۔ قرآن ''کتاب مبین'' (روشن کتاب) ہے، کیونکہ اس کی تعلیم نہایت واضح ہے۔ اس کی دعوت، اس کے پیش کردہ عقائد واحکام، اس کی رہنمائی اور اس کا مقصد و مدعا غرض تمام باتیں صاف صاف بیان ہوئی ہیں۔ ایک طرف قرآن کی یہ خصوصیت ہے جس کی بنا پر اس کی باتیں دل و دماغ میں اترتی چلی جاتی ہیں۔ اور دوسری طرف مختلف مذاہب کی وہ ''مقدس'' کتابیں ہیں جو الجھی ہوئی باتوں سے پُر ہیں اور جن کا مطالعہ کارے دارد ہے۔

۳۔ خطاب براہ راست عرب قوم سے ہے۔ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت براہ راست عرب قوم کی طرف ہوئی تھی۔ اس لئے قرآن کا نزول بھی ان کی اپنی زبان میں ہوا جو عربی تھی۔ غیر عرب قوموں کی طرف آپ کی بعثت بالواسطہ ہے۔ اسی طرح قرآن بھی تمام عجمی قوموں اور غیر عربی داں لوگوں کے لئے بالواسطہ حجت ہے۔ نبی ﷺ نے قیصر و کسریٰ کو جو دعوتی خطوط لکھے تھے وہ عربی میں تھے اور ان میں قرآن کی آیتیں بھی درج فرمائی تھیں۔ حالانکہ ان بادشاہوں کی زبان عربی نہیں تھی اسی لئے ان کو ترجمان کی مدد حاصل کرنا پڑی تھی۔ اس سے واضح ہوا کہ قرآن کا پیغام یا اس کا ترجمہ صحت کے ساتھ باوثوق ذریعہ سے کسی فرد یا قوم تک پہنچ جائے تو اس پر اللہ کی حجت قائم ہو جاتی ہے۔

اور یہ جو فرمایا کہ ''تاکہ تم سمجھو'' تو اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کی تلاوت کرنا کافی نہیں ہے، بلکہ اس کو سمجھنا اور اس کا فہم حاصل کرنا ضروری ہے۔ نیز یہ کہ اس کو سمجھ کر پڑھنے کی دعوت مسلمانوں کے لئے خاص نہیں ہے، بلکہ تمام لوگوں کے لئے عام ہے۔ خواہ کوئی شخص کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اور خواہ وہ عالم ہو یا عامی۔ اور یہ خیال بالکل غلط ہے کہ قرآن کو صرف علماء سمجھ سکتے ہیں یا یہ کہ وہ صرف مسلمانوں کے پڑھنے کیلئے ہے۔

۴۔ یوسف کی سرگذشت کا بہترین سرگذشت ہونا گوناگوں وجوہ سے ہے:

اولاً اس سرگذشت میں بیان ہوا ہے کہ یوسف کی زندگی میں ان کے ہوش سنبھالنے سے لے کر بڑی عمر کو پہنچنے تک کس طرح کے موڑ آئے، اور ہر موڑ پر اللہ نے ان کی کس طرح رہنمائی کی اور انہوں نے کس طرح بلندیٔ کردار کا ثبوت دیا۔

ثانیاً عنفوانِ شباب میں ان کی پاکدامنی کا ایسا امتحان ہوتا ہے جس کی مثال تاریخ میں ملنا مشکل ہے۔ اس امتحان میں وہ اس طرح پورے اترتے ہیں کہ ان کے حریفوں کو ان کے فرشتہ ہونے کا شبہ ہونے لگتا ہے۔

ثالثاً ان کی سرگذشت میں عبرت وموعظت کے چند نہیں بلکہ بہ کثرت پہلو ہیں۔

رابعاً یہ سرگذشت سیرت یوسف کا ایسا مرقع پیش کرتی ہے جو بڑا ہی عجیب اور بڑا ہی دلکش ہے۔ اور پھر صداقت سے ذرہ برابر متجاوز نہیں۔

خامساً یہ ایک جامع سرگذشت ہے جس کے لئے ایک سورہ کا نزول ہوا، جو ایک سو سے زیادہ آیتوں پر مشتمل ہے اور اسی سرگذشت کے لئے مختص ہے۔

سادساً اس سرگذشت میں مختلف کردار سامنے آتے ہیں۔ مگر یوسف کا کردار اپنی قیمت اس طرح منوالیتا ہے کہ جس کو ناقدروں نے حقیر پتھر خیال کر کے پھینک دیا تھا، وہ درحقیقت بڑا قیمتی ہیرا تھا اور بالآخر وہ تاج بن کر چمکا۔

۵۔ یوسف علیہ السلام کا قصہ اگرچہ بائبل میں بیان ہوا ہے (پیدائش باب ۳۷ تا ۵۰) لیکن اول تو یہ قصہ نبی ﷺ کے علم میں نہیں تھا۔ کیونکہ آپ اُمّی تھے۔ اسلئے نہ تورات کو آپ پڑھ سکتے تھے اور نہ کسی اور کتاب کو۔ مزید یہ کہ قرآن میں یہ سرگذشت جس طرح بیان ہوئی ہے وہ بائبل کے بیان سے بہت مختلف ہے۔ اگر آپ نے اہل کتاب سے سُن کر یہ واقعہ بیان کیا ہوتا تو یہ فرق اور امتیاز نہ ہوتا۔ اور وہ پہلو بھی سامنے نہ آتے جو بائبل میں سرے سے بیان ہی نہیں ہوئے ہیں۔

۶۔ یوسف کا سلسلۂ نسب بڑا ہی اشرف ہے۔ان کے والد یعقوب نبی تھے، ان کے دادا اسحاق بھی نبی تھے اور ان کے پردادا بھی نبی (**صلوات اللہ علیھم اجمعین**)۔یوسف علیہ السلام اس خانوادۂ نبوت کے نہ صرف چشم وچراغ تھے بلکہ آگے جاکر منصبِ نبوت سے بھی سرفراز ہوئے۔نبی ﷺ نے ان کی شان میں فرمایا:

الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراھیم۔ (البخاری کتاب التفسیر)

''وہ خود شریف تھے اور شریف باپ کے بیٹے تھے ان کے دادا بھی شریف تھے اور پردادا بھی شریف۔یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم۔''

۷۔ متن میں ساجدین (سجدہ ریز) کا لفظ استعمال ہوا ہے۔سجدہ کے لفظی معنیٰ جھکنے کے ہیں۔اس کا اطلاق پیشانی زمین پر ٹیک دینے پر بھی ہوتا ہے اور محض جھکنے پر بھی۔عربی میں کھجور کے جھکے ہوئے درخت کو ''نخلۃ الساجدۃ'' سجدہ ریز درخت کہتے ہیں (لسان العرب ج ۳ ص ۲۰۶) آیت میں ستاروں اور سورج اور چاند کا سجدہ ریز ہونا ظاہر ہے، زمین پر پیشانی ٹیک دینے کے مفہوم میں نہیں ہوسکتا، بلکہ اپنے اصل لغوی معنیٰ ہی میں ہوسکتا ہے۔یعنی ان کا جھکتے ہوئے نیچے اتر آنا۔(اور حقیقت حال کا علم اللہ ہی کو ہے)

۸۔ یوسف کے والد یعقوب (علیہما السلام) نبی تھے۔وہ خواب کا مطلب سمجھ گئے کہ گیارہ ستاروں سے مراد یوسف کے گیارہ بھائی ہیں۔سورج اور چاند سے مراد یوسف کے والدین ہیں۔وہ یہ بھی سمجھ گئے کہ اس خواب کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ یوسف کا مستقبل نہایت شاندار ہے۔وہ اقتدار کے منصب پر فائز ہوں گے اور یہ پورا خاندان ان کے زیر اقتدار ہوگا۔چونکہ یوسف کے دس بھائی سوتیلے تھے اور ان سے حسد رکھتے تھے۔اس لئے یعقوب علیہ السلام نے اس اندیشہ کے پیش نظر کہ ان کے اندر حسد کی آگ بھڑک نہ اٹھے اور وہ یوسف کے خلاف کوئی سازش نہ کر ڈالیں، خواب کو بیان کرنے سے منع کر دیا۔

بعض مفسرین نے محض اس بنا پر کہ یوسف نے خواب میں اپنے بھائیوں کو ستاروں کی شکل میں دیکھا تھا۔یہ رائے قائم کی ہے کہ یہ سب بعد میں انبیاء ہونگے۔لیکن یہ محض سادہ لوحی ہے۔کیوں کہ ایک نبی کی سیرت نبوت سے قبل بھی بڑی پاکیزہ ہوتی ہے اور وہ اخلاق کے بلند معیار پر ہوتا ہے۔جب کہ یوسف کے ان سوتیلے بھائیوں کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ کس قماش کے لوگ تھے اور کیسے کیسے جرائم کے مرتکب ہوئے۔رہا ان کا ستاروں کی شکل میں دکھائی دینا تو اس سے ان کا نبی ہونا لازم نہیں آتا۔یوسف نے اپنی والدہ کو چاند کی شکل میں دیکھا تھا تو کیا وہ نبیہ ہوگئیں؟ علامہ ابن تیمیہؒ نے اس خیال کی سختی کے ساتھ تردید کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے :

''جس بات پر قرآن، لغت اور مرادی معنی دلالت کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی انبیاء نہیں تھے۔نہ قرآن میں کہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبی بنایا تھا اور نہ نبی ﷺ سے یہ منقول ہے اور نہ ہی کسی صحابی کا کوئی قول اس کی تائید میں موجود ہے۔۔۔۔رہا ''اسباط'' سے استدلال تو اس سے مراد یعقوب کی صلبی اولاد نہیں بلکہ ان کی نسل ہے۔۔۔اور صحیح بات یہ ہے کہ ''اسباط'' کا لقب موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں دیا گیا۔اور اس وقت سے ان میں (یعنی بنی اسرائیل میں) نبوت کا سلسلہ چلا، ورنہ ان سے پہلے سوائے یوسف کے ان میں کسی نبی کا ذکر نہیں ملتا۔۔۔اور اللہ سبحانہ نے برادران یوسف کے جن بڑے بڑے گناہوں کا ذکر کیا ہے، اس قسم کے گناہ کا ذکر کسی بھی نبی کے تعلق سے نہیں کیا، کہ وہ قبل نبوت اس کا مرتکب ہوا تھا۔'' (روح المعانی للآلوسی ج ۴ ص ۱۸۴)

۹۔ یعنی منصب نبوت سے سرفراز کرے گا۔

۱۰۔ متن میں ''تاویل الاحادیث'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جس کے معنیٰ باتوں کی تہ میں جانے اور ان کی اصل حقیقت معلوم کرنے کے ہیں۔مراد معاملہ فہمی، بصیرت اور صحیح نتائج اخذ کرنا ہے جس میں خواب کی تعبیر کا علم خصوصیت کے ساتھ شامل ہے۔

۱۱۔ مراد سیادت وقیادت کی نعمت اور دنیوی واخروی سعادتیں ہیں۔آل یعقوب سے مُراد یعقوب کی نسل ہے جو آگے چل کر بنی اسرائیل کہلائی۔اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اقوام عالم کے درمیان ایک ممتاز قوم بنا کر اٹھایا اور لوگوں کی رہنمائی کا ذریعہ بنایا۔

۱۲؎ وہ علم والا ہے اس لئے اسے مستقبل کا پورا علم ہے اور وہ حکیم ہے اس لئے اس کے فیصلے نہایت حکیمانہ ہوتے ہیں۔

۱۳؎ اس سے واضح ہوا کہ سورۂ یوسف مشرکین مکہ کے اس سوال کے جواب میں نازل ہوئی۔ سوال ممکن ہے یہود کے اشارہ پر کیا گیا ہو، تاکہ نبی ﷺ کا امتحان لیا جائے کہ آپ یوسف کا واقعہ کس طرح بیان فرماتے ہیں، جب کہ آپ نے تورات نہیں پڑھی ہے۔ ان کے اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یوسف کی سرگذشت نہایت سبق آموز طریقہ پر بیان فرمادی۔ اور سوال کرنے والوں کو دعوتِ فکر دی کہ یوسف اور اس کے بھائیوں کے درمیان جو معاملہ پیش آیا اس میں اللہ کی قدرت وحکمت کی عجیب نشانیاں ہیں۔ کہ کس طرح اس کی تدبیر غالب آجاتی ہے اور اس کا منصوبہ پورا ہوکر رہتا ہے۔ ع

مدعی لاکھ بُرا چاہے تو کیا ہوتا ہے وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

یوسف کو ان کی راست بازی کی بنا پر اللہ کی تائید ونصرت حاصل تھی۔ اس لئے نہ برادران یوسف ان کا کچھ بگاڑ سکے اور نہ مصر کی وہ خواتین جنہوں نے یوسف کے خلاف سازش کی اور انہیں جیل بھجوایا۔ آج نبی ﷺ کے ساتھ قریش جو معاملہ کر رہے ہیں وہ اس معاملہ سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے، جو برادرانِ یوسف نے یوسف کے ساتھ کیا تھا۔ اس طرح وہ اپنے کو ایک ایسے انجام کی طرف دھکیل رہے ہیں جس میں ان کیلئے ندامت اور پچھتاوے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

۱۴؎ مراد بن یمین ہے جو یوسف کا سگا بھائی تھا۔

۱۵؎ یوسف اور بن یمین سب سے چھوٹے تھے اس لئے قدرتی بات ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو زیادہ پیارے ہوں۔ اور یوسف تو اپنی راست بازی، دانشمندی اور اعلیٰ صلاحیتوں کی بنا پر یعقوب کی آنکھ کا تارا تھا۔ مگر انہوں نے اپنے دوسرے بیٹوں کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کی تھی، ورنہ اس موقع پر وہ اپنے باپ کی ضرور شکایت کرتے۔

بائبل میں ہے: ''اور ان کے بھائیوں نے دیکھا کہ ان کا باپ ان کے سب بھائیوں سے زیادہ اسی کو پیار کرتا ہے سو وہ اس سے بغض رکھنے لگے اور ٹھیک طور سے بات بھی نہیں کرتے تھے۔'' (پیدائش ۳۷: ۴)

''حالانکہ ہم ایک جتھا ہیں'' سے ان کی مراد یہ تھی کہ خاندان کی حفاظت کے پہلو سے اصل اہمیت جتھے کی ہے نہ کہ کسی ایک فرد کی۔ کیوں کہ اس زمانہ میں کنعان میں لوگ آزاد قبائلی زندگی بسر کرتے تھے اور کوئی منظم حکومت نہیں تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ ان حالات میں ہم دس بھائی جو ایک جتھا ہیں۔ اپنے باپ کے لئے زیادہ مفید ثابت ہوسکتے ہیں۔ اس لئے باپ کے پیار کے زیادہ مستحق ہم ہیں نہ کہ یوسف اور بن یمین۔ مگر یعقوب کی نظر میں اصل وقعت اخلاق وکردار کی تھی اس لئے انہیں یوسف سے زیادہ محبت تھی۔

۱۶؎ اگرچہ اس سازش کا محرک ان کی یہ خواہش تھی کہ ان کے والد کی محبت ان کے لئے خاص ہوکر رہ جائے، مگر ان کا ضمیر اندر سے کہہ رہا تھا کہ اس صورت میں وہ گناہ کے مرتکب ہوں گے۔ لیکن شیطان نے انہیں یہ پٹی پڑھادی کہ اپنی راہ کے کانٹے کو دور کرنے کے لئے اگر گناہ کا ارتکاب ''ناگزیر'' ہے تو کر لینے میں حرج نہیں ہے۔ کیوں کہ اس کے بعد جب باپ کی محبت اور توجہ ان کے لئے خاص ہوکر رہ جائے گی، تو وہ بھی یکسوئی کے ساتھ نیکی کی طرف مائل ہوسکیں اور ان کے لئے نیک بن کر رہنا آسان ہوگا۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شیطان انسان کو کس خوبصورتی کے ساتھ گناہ پر آمادہ کرتا ہے اور کس طرح غلط راہ پر ڈال دیتا ہے!

قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ لَا تَقۡتُلُوۡا يُوۡسُفَ وَاَلۡقُوۡهُ فِىۡ غَيٰبَتِ الۡجُبِّ يَلۡتَقِطۡهُ بَعۡضُ السَّيَّارَةِ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ﴿۱۰﴾

۱۰ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا یوسف کو قتل نہ کرو، بلکہ تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو کسی اندھے کنویں میں ڈال دو۔ کوئی گذرنے والا قافلہ اسے نکال لے گا۔

قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاۡمَنَّا عَلٰى يُوۡسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوۡنَ ﴿۱۱﴾

۱۱ انہوں نے کہا ابا جان! آپ یوسف کے معاملہ میں ہم پر اعتماد کیوں نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے بڑے خیر خواہ ہیں۔

اَرۡسِلۡهُ مَعَنَا غَدًا يَّرۡتَعۡ وَيَلۡعَبۡ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۱۲﴾

۱۲ کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ کھائے پیئے اور کھیلے کُودے ۱۷؎ ہم اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ ۱۸؎

قَالَ اِنِّىۡ لَيَحۡزُنُنِىۡۤ اَنۡ تَذۡهَبُوۡا بِهٖ وَاَخَافُ اَنۡ يَّاۡكُلَهُ الذِّئۡبُ وَاَنۡتُمۡ عَنۡهُ غٰفِلُوۡنَ ﴿۱۳﴾

۱۳ اس نے کہا تمہارا اس کو اپنے ہمراہ لے جانا میرے لئے باعث رنج ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں بھیڑیا اسے کھا نہ جائے اور تم اس سے غافل ہو ۱۹؎

قَالُوۡا لَئِنۡ اَكَلَهُ الذِّئۡبُ وَنَحۡنُ عُصۡبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۴﴾

۱۴ انہوں نے کہا ہمارے پورے جتھے کے موجود ہوتے ہوئے بھیڑیئے نے اُسے کھالیا تو ہم بالکل ناکارہ ہوں گے۔

فَلَمَّا ذَهَبُوۡا بِهٖ وَاَجۡمَعُوۡۤا اَنۡ يَّجۡعَلُوۡهُ فِىۡ غَيٰبَتِ الۡجُبِّ ۚ وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمۡ بِاَمۡرِهِمۡ هٰذَا وَهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۵﴾

۱۵ پھر جب وہ یوسف کو لے گئے ۲۰؎ اور طے کرلیا کہ ان کو اندھے کنویں میں ڈال دیں گے، تو ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ (ایک وقت آئے گا جب) تم انہیں ان کا یہ معاملہ جتا دو گے اور انہیں اس کا خیال بھی نہیں ہوگا۔ ۲۱؎

وَجَآءُوۡۤ اَبَاهُمۡ عِشَآءً يَّبۡكُوۡنَ ﴿۱۶﴾

۱۶ اور وہ رات گئے اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے۔ ۲۲؎

قَالُوۡا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبۡنَا نَسۡتَبِقُ وَتَرَكۡنَا يُوۡسُفَ عِنۡدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئۡبُ ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ بِمُؤۡمِنٍ لَّنَا وَلَوۡ كُنَّا صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۷﴾

۱۷ انہوں نے کہا ابا جان! ہم دوڑ میں ایک دوسرے کا مقابلہ کر رہے تھے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا کہ بھیڑیئے نے اس کو کھا لیا ۲۳؎۔ اور آپ ہماری بات باور کرنے والے نہیں ہیں اگرچہ ہم سچ بول رہے ہوں۔ ۲۴؎

وَجَآءُوۡ عَلٰى قَمِيۡصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلۡ سَوَّلَتۡ لَكُمۡ اَنۡفُسُكُمۡ اَمۡرًا ؕ فَصَبۡرٌ جَمِيۡلٌ ؕ وَاللّٰهُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوۡنَ ﴿۱۸﴾

۱۸ اور وہ اس کے کُرتے پر جھوٹ موٹ کا خون لگا لائے تھے۔ اس نے (باپ نے) کہا نہیں بلکہ تمہارے نفس نے ایک بات گڑھ لی ہے ۲۵؎۔ اب میرے لئے صبر جمیل ہے ۲۶؎۔ اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔ ۲۷؎

۱۷۔ کھیل کود سے مراد دوڑ اور تیر اندازی جیسے کھیل ہیں، جو اس وقت کی بدویانہ زندگی میں تحفظ کے نقطۂ نظر سے ضروری تھے۔

۱۸۔ انہوں نے اس تجویز سے اتفاق کیا کہ یوسف کو کنویں میں ڈال دیا جائے۔ اور چال یہ چلی کہ یوسف کو تفریح کے بہانے جنگل میں لے جانے کی اجازت اپنے باپ سے حاصل کر لیں۔ اور انہیں اطمینان دلائیں کہ وہ پوری طرح یوسف کی حفاظت کریں گے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ جب انسان جھوٹ کو جائز کر لیتا ہے، تو اسے نہ ملمع کاری کی باتیں کرنے میں تامل ہوتا ہے اور نہ خطرناک منصوبے بنانے میں۔

۱۹۔ یعقوب علیہ السلام کے لئے یہ بات اس لئے باعث رنج تھی کہ انہیں یوسف کے بارے میں یہ اندیشہ تھا کہ ان کے سوتیلے بھائی ان کو پریشان نہ کریں۔ نیز وہ یہ خطرہ بھی محسوس کر رہے تھے کہ ان کی بے پرواہی کے نتیجہ میں یوسف کسی حادثہ کا شکار نہ ہو جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں کنعان کے جنگلوں میں بھیڑیے زیادہ تھے اور ان کے حملوں سے بچنا مشکل تھا۔ اس لئے یعقوب علیہ السلام نے ایک موجود خطرے کا ذکر کیا۔

۲۰۔ یعنی اپنے باپ سے اصرار کر کے وہ یوسف کو اپنے ساتھ لے گئے۔

۲۱۔ یعنی ہم نے وحی بھیج کر یوسف کو اطمینان دلایا کہ یہ تمہارے ساتھ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا۔ بلکہ ایک وقت آئے گا جب یہ اپنے کئے پر نادم ہوں گے۔ تم زندہ سلامت رہ کر انہیں جتاؤ گے کہ انہوں نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ اور اس وقت جتاؤ گے جب کہ ان کے خیال میں بھی یہ بات نہیں ہوگی کہ جو شخص انہیں یہ قصہ یاد دلا رہا ہے وہ ان کا بھائی یوسف ہے۔ آگے چل کر یہ واقعہ جس طرح پیش آیا اس کا ذکر آیت ۸۹/ اور ۹۰/ میں ہوا ہے۔

واضح رہے کہ یہ وحی یوسف کے نبی بنائے جانے سے پہلے ان کی طرف بھیجی گئی تھی۔ اس وقت ان کی عمر جیسا کہ بائبل کا بیان ہے صرف ۱۷/ سال تھی۔

۲۲۔ یعنی یوسف کو کنویں میں چھوڑ کر وہ رات کو گھر واپس آ گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ قریب ہی کے علاقہ میں گئے تھے ورنہ رات تک گھر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ وہ ٹسوے بہاتے ہوئے اپنے والد کے پاس پہنچے تھے۔ تاکہ یوسف سے ہمدردی کا اظہار ہو اور ان کے والد ان کی باتوں پر یقین کریں۔

۲۳۔ یعقوب علیہ السلام کی زبان سے ایک امکانی خطرہ کے پیش نظر جو الفاظ نکل گئے تھے، برادران یوسف نے ان کو لے کر یوسف کے ہلاک ہونے کا قصہ گھڑ لیا۔

۲۴۔ انہوں نے قصہ تو گھڑ لیا لیکن انہیں خود یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان کے والد ان کی باتوں کو باور کریں گے۔

۲۵۔ ان کے جھوٹ کا پول تو اس بات سے ہی کھل رہا تھا کہ کُرتا پھٹا ہوا نہ تھا۔ یہ کس طرح ممکن تھا کہ بھیڑیا حملہ کرے اور کُرتا نہ پھٹے۔ اس کھلے جھوٹ کو یعقوب علیہ السلام کس طرح صحیح واقعہ تسلیم کر سکتے تھے۔ انہوں نے برجستہ کہا کہ یہ من گھڑت قصہ ہے۔ اس سے یہ اصولی بات واضح ہوتی ہے کہ جب کسی خبر کی تصدیق قرائن علامتوں سے نہ ہوتی ہو اور خبر دینے والے غیر ثقہ ہوں تو ایسی خبر قابل رد ہوگی۔

۲۶۔ صبر جمیل کا مطلب ہے مصیبت کو خوبی کے ساتھ برداشت کرنا اور تکلیف پہنچنے پر اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دینا۔ جزع فزع تو اصلاً صبر ہی کے منافی ہے۔

قرآن یعقوب علیہ السلام کے کردار کو اس طرح پیش کرتا ہے جو ایک نبی کے شایان شان ہے۔ لیکن بائبل کا انداز اس سے بالکل مختلف ہے۔ چنانچہ بائبل میں ہے کہ یوسف کے بارے میں یہ خبر سن کر یعقوب نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور بہت دنوں تک ماتم کرتا رہا۔ (پیدائش ۳۷: ۳۴)

اور ایسے کتنے مقامات ہیں جہاں بائبل کے مؤلفین نے اپنے نبیوں کے کردار کو مسخ کر کے پیش کیا ہے۔

۲۷۔ یہ اظہار توکل ہے۔

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ
قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ
وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ
وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾

وَقَالَ الَّذِى اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِىْ مَثْوٰىهُ
عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ
فِى الْاَرْضِ ۖ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ
عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ
وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِىْ هُوَ فِىْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ
وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّىْۤ اَحْسَنَ مَثْوَاىَ ؕ
اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ
كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ
اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ
قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ
مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾

۱۹ اور (ادھر) ایک قافلہ آیا تو اس نے اپنا سقہ بھیجا۔ اس نے ڈول ڈالا تو پکار اٹھا بڑی خوشی کی بات ہے یہ تو ایک لڑکا ہے ۲۸۔ اور اس کو مال تجارت سمجھ کر چھپا لیا ۲۹۔ وہ جو کچھ کر رہے تھے اللہ اس سے واقف تھا۔

۲۰ اور انہوں نے اس کو حقیر قیمت پر کہ گنتی کے چند درہم تھے بیچ دیا ۳۰۔ اور اس معاملہ میں انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ۳۱۔

۲۱ اور مصر کے جس شخص نے اسے خریدا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا اسے قدر و منزلت سے رکھو ۳۲۔ عجب نہیں یہ ہمارے لئے مفید ثابت ہو یا ہم اسے بیٹا بنالیں ۳۳۔ اس طرح ہم نے یوسف کے قدم اس سرزمین میں جما دئے ۳۴۔ اور (اس ابتلا سے اس لئے گذارا) تاکہ اسے باتوں کی حقیقت معلوم کرنا سکھائیں ۳۵۔ اللہ اپنا حکم نافذ کر کے رہتا ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ ۳۶۔

۲۲ اور جب وہ اپنی پختگی کو پہنچ گیا ۳۷۔ تو ہم نے اسے حکم (قوتِ فیصلہ) اور علم عطاء کیا۔ حسن عمل کا رویہ اختیار کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ عطاء فرماتے ہیں۔ ۳۸۔

۲۳ اور جس عورت کے گھر میں وہ تھا وہ اس کو اپنی طرف مائل کرنے لگی ۳۹۔ اس نے دروازے بند کر دئے اور بولی آجاؤ۔ اس نے کہا معاذ اللہ! وہ میرا رب ہے اس نے مجھے اچھا مقام عطاء کیا ہے۔ غلط کار لوگ کبھی فلاح نہیں پاتے۔ ۴۰۔

۲۴ عورت نے تو اس کا قصد کر ہی لیا تھا اور وہ بھی اس کا قصد کرتا، اگر اس نے اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لی ہوتی ۴۱۔ ایسا اس لئے ہوا تاکہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو دور رکھیں ۴۲۔ بلا شبہہ وہ ہمارے خاص بندوں میں سے تھا۔ ۴۳۔

۲۵ اور دونوں دروازہ کی طرف دوڑے اور عورت نے یوسف کا کرتا پیچھے سے پھاڑ دیا اور دونوں نے دروازے پر عورت کے شوہر کو موجود پایا۔ کہنے لگی کیا سزا ہے اس شخص کی جو آپ کی بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے سوائے اس کے کہ اس کو قید کیا جائے یا کوئی دردناک سزا دی جائے۔ ۴۴۔

۲۸۔ بائبل کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسمٰعیلیوں کا قافلہ تھا جو سامان تجارت لے کر مصر جا رہا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کنواں جس میں یوسف کو ڈال دیا گیا تھا، اس شاہراہ پر واقع تھا جو کنعان سے مصر کو جاتی تھی۔ یوسف کو اس کے بھائی جنگل میں نہیں لے گئے تھے، بلکہ شاہراہ پر آ کر ایک ایسے کنویں میں جس پر پتھروں کی منڈھیر بنی ہوئی نہیں تھی (جُبّ ایسے ہی کنویں کو کہتے ہیں) ڈال دیا تھا۔

قافلہ جب اس کے قریب رکا تو اس نے اپنے ایک آدمی کو پانی لانے کے لئے کنویں پر بھیج دیا۔ اس نے جب ڈول ڈالا تو یوسف نے اس ڈول کا سہارا لیا اور جب وہ اوپر آ گئے، تو سقہ کو یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ یہ ایک لڑکا ہے، جو کنویں میں پھنس گیا تھا اور جس کے لئے ڈول نجات کا ذریعہ بنا۔ مزید خوشی اس بات کی کہ ایک غلام ان کے ہاتھ لگا جس کی قیمت انہیں وصول ہوگی۔

۲۹۔ اس زمانے میں جب کسی کو کوئی گمشدہ لڑکا راستہ میں پڑا ہوا مل جاتا۔۔۔۔۔۔ جس کو فقہی اصطلاح میں لقیط کہا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ تو وہ اسے غلام بنا لیتا اور پھر چاہتا تو کسی کے ہاتھ فروخت کر دیتا۔ قافلہ والوں نے بھی یوسف کے ساتھ یہی معاملہ کیا۔ انہیں مال تجارت سمجھ کر اس وقت چھپا لیا تاکہ لڑکے کا کوئی دعویدار نکل نہ آئے۔ اس کے بعد انہیں مصر لے جا کر فروخت کر دیا جیسا کہ آگے ذکر آ رہا ہے۔

۳۰۔ بیچنے والے یہی قافلہ والے تھے اور مصر لے جا کر انہیں بیچ دیا تھا۔ انہیں کچھ اندازہ نہ تھا کہ کیسی قیمتی شخصیت ان کے ہاتھ لگی ہے۔ اس لئے انہوں نے چاندی کے چند سکوں کے عوض یوسف کو بیچ دیا۔

بائبل کا بیان الجھا ہوا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ یوسف کو کنویں سے نکالا تو تھا قافلہ والوں نے لیکن وہاں یوسف کے بھائی موجود تھے۔ اور انہوں نے بیس درہم قیمت وصول کی تھی۔ لیکن یہ بات نہ قرآن کے بیان کے مطابق ہے اور نہ ہی قرین قیاس۔

۳۱۔ یعنی قافلہ والوں کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ اس غلام کی صحیح قیمت انہیں وصول ہو کیوں کہ یہ غلام مفت ان کے ہاتھ لگا تھا۔

۳۲۔ قافلہ مصر جا رہا تھا اس لئے وہ اپنے ساتھ یوسف کو مصر لے گئے اور وہاں انہیں غلام کے طور پر فروخت کر دیا۔ مصر میں جس شخص نے یوسف کو خریدا وہ حکومت کے اعلیٰ منصب پر فائز تھا۔ بائبل میں اس کا نام فوطیفار آیا ہے۔ اور اسے مصر کے بادشاہ کا ایک حاکم اور محافظ فوج کا افسر اعلیٰ کہا گیا ہے۔ قرآن نے جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا اس کے لئے عزیز کا لقب استعمال کیا ہے۔

وہ یوسف کو دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یہ کسی شریف گھرانے کا لڑکا ہے جو گرفتار بلا ہو کر یہاں پہنچ گیا ہے۔ لڑکا نہایت ہونہار، با اخلاق اور قابل اعتماد ہے اس لئے اس نے اپنی بیوی سے کہا، کہ اس کے ساتھ غلاموں کا سلوک نہ کرنا بلکہ عزت کے ساتھ رکھنا۔

۳۳۔ حاکم مردم شناس تھا اس لئے یوسف کی قدر اس نے پہچان لی اور غالباً وہ بے اولاد تھا اس لئے اس نے اس خیال کا اظہار کیا کہ ممکن ہے ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں۔

۳۴۔ اللہ تعالیٰ کا منصوبہ یہ تھا کہ یوسف کو مصر کا فرمانروا بنایا جائے۔ اس مقصد کے لئے ضروری تھا کہ انہیں مصر کی متمدن زندگی کا تجربہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب کئے کہ مصر میں ان کے قدم جم گئے اور ایک حاکم کے گھر میں رہ کر انہیں اس تجربہ کا بہترین موقع ملا۔

۳۵۔ یعنی یوسف کو ابتلاؤں سے گذارنے میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت یہ تھی کہ ان میں وہ ملکہ پیدا ہو جو باتوں کی تہ تک پہنچنے اور ان کی اصل حقیقت معلوم کرنے کیلئے ضروری ہے۔ حالات کے تھپیڑے انسان کو گہرائی میں جانے کیلئے مجبور کرتے ہیں اور جب وہ گہرائی میں جاتا ہے تو اس کا دامن موتیوں سے بھر جاتا ہے۔

۳۶۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے اور اس کو یہاں بیان کرنے سے مقصود ایک طرف تو یہ واضح کرنا ہے کہ یوسف کے لئے ان حاسدوں کے علی الرغم دنیوی اور اخروی سعادتوں کی راہیں کھلتی چلی گئیں۔ اور دوسری طرف یہ اشارہ کرنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا جو منصوبہ ہے وہ نافذ ہو کر رہے گا۔ اور اُسے نافذ ہونے سے نہ قریش روک سکتے ہیں اور نہ کوئی اور طاقت۔

۳۷۔ پختگی (اَشُدّ) کو پہنچنے سے مراد شباب کو پہنچنا ہے۔ یہ اٹھارہ بیس سال کی عمر کا زمانہ ہے جب اشد یعنی اچھی طرح سوجھ بوجھ پیدا ہو جاتی ہے۔ سورۂ انعام آیت ۱۵۲ میں ''اَشُدّ'' کا لفظ اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

۳۸۔ ''حکم'' سے مراد قوت فیصلہ ہے اور علم سے مراد بصیرت کا نور ہے۔ یہ چیزیں یوسف کو نبوت سے پہلے جوانی کی عمر کو پہنچنے پر حاصل ہوئی تھیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے حسن عمل کا فوری انعام تھا جو انہیں ملا۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنی اس سنت کا بھی ذکر فرمایا ہے، کہ جو لوگ حسن عمل کا رویہ اختیار کرتے ہیں، یعنی خدا کا بندہ ہونے کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی ادا کرتے ہیں اور اپنے اندر اچھے اوصاف کی پرورش کرتے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ صحیح فیصلے کرنے کی قوت عطاء فرماتا ہے اور اس کام کے لئے جو بصیرت مطلوب ہے اس سے نوازتا ہے۔ حسن عمل کا یہ انعام انسان کو اس کے درجہ کے اعتبار سے دنیا ہی میں مل جاتا ہے۔

۳۹۔ بائبل میں ہے کہ یوسف خوبصورت اور حسین تھا۔ (پیدائش ۳۹: ۶)

گویا اللہ تعالیٰ نے انہیں صورت اور سیرت دونوں کا حسن عطا فرمایا تھا۔

یوسف کو عزیز مصر نے اپنے گھر میں رکھا تھا اور اپنے گھر کا مختار بنا کر اپنا سب کچھ اسے سونپ دیا تھا۔ (پیدائش ۳۹: ۲ تا ۴) عزیز کی بیوی یوسف پر فریفتہ ہوگئی اور ایک دن موقع پا کر انہیں اپنے دامِ محبت میں گرفتار کرنا چاہا۔

واضح رہے کہ حُسنِ یوسف کے جو قصے عام طور سے مشہور ہیں وہ بڑے مبالغہ پر مبنی اور محض افسانہ ہیں۔ اگر یہ ایسا ہی حُسن ہوتا جو دنیا میں کسی کو کبھی عطا ہی نہیں ہوا تو قرآن اس کا ذکر کرتا مگر قرآن میں سرے سے حُسن یوسف کا ذکر ہی نہیں ہے۔ اس نے یوسف کے حسن سیرت کو نمایاں کیا ہے جو کہ اس سرگذشت کا اصل مقصد ہے، جب کہ افسانہ پسند طبیعتیں اس کو افسانوی رنگ میں دیکھنا چاہتی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے یوسف کی اس سرگذشت کو جسے قرآن نے نہایت جچے تلے انداز میں پیش کر دیا تھا ''یوسف وزلیخا'' کا قصہ بنا کر رکھ دیا ہے۔

۴۰۔ عزیز کی بیوی نے ایک دن موقع پا کر کمرے کے دروازے بند کر دئے اور یوسف کو کھلے طور پر بے حیائی کی دعوت دی۔ مگر یوسف شرافت کا پیکر تھے وہ کس طرح اپنے دامن کو آلودہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے برجستہ جواب دیا پناہ بخدا۔ میں یہ کام کیسے کر سکتا ہوں جب کہ میرے رب نے مجھے اچھا مقام عطاء کیا ہے۔ اس سے یوسف کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل خاص سے نوازا ہے، ان کو نبی زادہ ہونے کا شرف بخشا، ان کی قدم قدم پر رہنمائی اور دستگیری کی۔ مصر میں ان کو اچھی منزلت بخشی، علم اور بصیرت کی روشنی عطاء کی، اخلاق کے اونچے مرتبہ پر فائز کیا اور عفت و پاکدامنی اور شرم وحیاء کے لئے ایسی حساس طبیعت بخشی کہ حسن معنیٰ کو کسی کی مشاطگی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

یوسف کے کہنے کا منشا یہ تھا کہ جس ہستی نے مجھے یہ مقامِ بلند بخشا ہے، میں اس کی ناشکری کر کے اپنے کو اس کا نااہل ثابت کر دوں؟ اگر میں تمہاری باتوں میں آ کر بے حیائی کا مرتکب ہوا تو غلط کار اور ظالموں کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ دنیا میں ان کے لئے رسوائی ہے اور آخرت میں انہیں سخت سزا بھگتنا ہوگی۔

غور کیجئے یوسف کا جواب کتنا مختصر تھا مگر کتنا مدلل تھا۔ اور اس کے ایک ایک لفظ سے کس طرح خدا خوفی اور احساس آخرت کا اظہار ہو رہا تھا۔

واضح رہے کہ عام طور سے مفسرین نے اس آیت میں **اِنَّهٗ رَبِّیْ** ''وہ میرا رب ہے'' کے معنیٰ یہ بیان کئے ہیں کہ یہ بات یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کے بارے میں کہی تھی، لیکن زجاج (ماہر لغت) کہتے ہیں کہ اس میں ہٗ (وہ) کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے (فتح القدیر ج ۳ ص ۱۷) یعنی یہ بات یوسف علیہ السلام نے اللہ کے بارے میں فرمائی تھی کہ وہ میرا رب ہے اس نے مجھے اچھا مقام عطاء کیا ہے۔ ہمیں زجاج کی رائے سے اتفاق ہے کیوں کہ اولاً **اِنَّه** میں ہٗ (وہ) کی ضمیر کو اپنے قریبی لفظ اللہ کی طرف لوٹانے کے بجائے عزیز مصر کی طرف لوٹانے کی کوئی وجہ نہیں، جب کہ عزیز مصر کا کوئی ذکر آیت میں موجود نہیں ہے۔ **ثانیاً**

آگے آیت ۲۵ میں عزیز مصر کیلئے اس کی بیوی کے تعلق سے **سَیِّدَھَا** (اس کا آقا بمعنیٰ شوہر) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ وہاں بھی قرآن نے عزیز مصر کیلئے رب کا لفظ استعمال نہیں کیا حالانکہ لغوی معنی کے لحاظ سے **ربھا** (اس کا مالک) کا لفظ استعمال کیا جا سکتا تھا۔ **ثالثاً** قرآن میں کوئی ایسی مثال موجود نہیں ہے کہ کسی پیغمبر نے کسی انسان کو مجازی معنیٰ ہی میں سہی **ربّی** (میرا رب) کہا ہو۔ **رابعاً** اس فقرے کے تین اجزاء ہیں اور تینوں باہم مربوط ہیں۔ پہلا جزء معاذ اللہ (پناہ بہ خدا) ہے جس میں خدا خوفی کا اظہار ہے۔ دوسرا جزء ''وہ میرا رب ہے اس نے مجھے اچھی قدر و منزلت بخشی ہے، میں اللہ کے شکر کا اظہار ہے۔ اور ''غلط کار لوگ ہرگز فلاح نہیں پائیں گے'' میں آخرت کی جزا و سزا پر یقین کا اظہار ہے۔ لیکن رب سے عزیز مصر مراد لینے کی صورت میں اس فقرہ کے اجزاء غیر مربوط ہو جاتے ہیں۔ **خامساً** موقع خدا کے احسانات کے ذکر کا تھا نہ کہ عزیز مصر کے احسانات کے ذکر کا۔

ان وجوہ سے جمہور مفسرین کی رائے سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔

۴۱۔ یعنی عورت تو اقدام کر بیٹھی اور یوسف بھی اقدام کرتا، اگر اس نے اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لی ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ عورت کی طرف سے پہل ہونے کے باجود یوسف کو برائی کے ارادہ سے باز رکھنے والی چیز اللہ کی برہان تھی۔ برہان سے مراد اللہ کی وہ حجت ہے جو یوسف علیہ السلام کے اس بیان میں جس کا ذکر اوپر ہوا مضمر ہے۔ یعنی یہ بات کہ انسان گناہ کر کے اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ اور برہان کو دیکھ لینے کا مطلب اس کو بصیرت کی آنکھ سے دیکھ لینا اور اس پر یقین کر لینا ہے۔ یوسف کو یہ بصیرت حاصل ہوئی تھی اس لئے وہ اس نازک موقع پر بھی اپنے دامن کو آلودہ ہونے سے بچانے میں کامیاب ہو گیا۔

آیت کے اس سیدھے سادھے مفہوم کو چھوڑ کر مفسرین کے ایک گروہ نے بے سر و پا روایتوں پر اعتماد کر کے عجیب و غریب باتیں لکھی ہیں۔ مثلاً یہ کہ یوسف نے یعقوب کی یا فرشتہ کی صورت دیکھی تھی جو سراسر تکلف ہے۔ اور قرآن کی صاف بات کو مبہم بنا کر اس میں نکتے پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ایسی روایتوں نے قرآن کے اصل مفہوم اور مدعا پر پردے ڈال دیئے ہیں اس لئے سختی کے ساتھ ان کی تردید ضروری ہے۔ اسی طرح **وَھَمَّ بِھَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْھَانَ رَبِّہٖ** (وہ قصد بھی کر لیتا اگر اپنے رب کی برہان اس نے دیکھ نہ لی ہوتی) کو بعض مفسرین نے ایسی روایتوں کے سہارے جو در یا بُرد کرنے کے لائق ہیں یوسف کی طرف غلط ارادہ اور بعض ایسی باتوں کو منسوب کیا ہے جن کا ذکر بھی مناسب نہیں ہے۔ البتہ امام رازی نے پُرزور انداز میں اس کی تردید کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ یوسف علیہ السلام نے عورت کا قصد کیا تھا اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: **وَھَمَّ بِھَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْھَانَ رَبِّہٖ** (وہ اس کا قصد کر لیتا اگر اس نے اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لی ہوتی)۔ یہاں **لَوْلَا** (اگر نہ) کا جواب مقدم ہے یعنی پہلے ہی بیان ہوا ہے۔ اس پر زجاج کا یہ اعتراض کہ **لَوْلَا** کا جواب عربی نحو کی رو سے مقدم نہیں ہو سکتا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ بعض مواقع پر کسی بات کی اہمیت کے پیش نظر **لَوْلَا** کے جواب کو مقدم رکھتے ہیں۔ قرآن میں اس کی مثال موجود ہے۔

اِنْ کَادَتْ لَتُبْدِیْ بِہٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا علی قلبھا۔ (القصص:۱۰)

''قریب تھا کہ وہ (موسیٰ کی ماں) اس بات کو ظاہر کر دیتی اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کر دیئے''۔

اس آیت میں بھی **لَوْلَا** کا جواب مقدم ہے یعنی پہلے ہی بیان ہوا ہے۔ رہ گئیں روایتیں تو اس کی کیا ضمانت کہ جن لوگوں نے ان مفسرین (یعنی صحابہ اور تابعین) سے یہ تفسیر نقل کی ہے وہ سچے تھے؟

۴۲۔ یوسف کا دامن عمل باطل سے پاک ہے اور وہ ''حرام قصد'' سے بالکل بری ہیں۔ محقق مفسرین اور متکلمین کا یہی قول ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو التفسیر الکبیر ج ۱۸ ص ۱۱۵ تا ۱۳۰) حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے اس نازک موقع کا ذکر جس طریقہ سے کیا ہے اس میں یوسف کی کسی ادنیٰ لغزش کی طرف بھی اشارہ نہیں ہے۔ اگر ان سے ایسی کوئی بات سرزد ہوئی ہوتی تو ان کی توبہ کا ذکر ہوا ہوتا، لیکن جب کوئی ایسی بات قرآن میں بیان نہیں ہوئی تو آپ سے آپ ان تفسیری اقوال کی تردید ہو جاتی ہے جو قرآن کے بیان سے مطابقت نہیں رکھتے۔ بقیہ صفحہ ۷۲۳ پر

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٦﴾

۲۶ یوسف نے کہا اس نے مجھے رجھانے کی کوشش کی ۴۵ ۔ اور عورت کے خاندان والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی۔ کہ اگر اس کا کُرتا آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے۔

وَإِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٧﴾

۲۷ اور اگر اس کا کُرتا پیچھے سے پھٹا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے۔ ۴۶ ۔

فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصَهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِن كَيْدِكُنَّ ۖ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾

۲۸ جب اس نے دیکھا کہ اس کا کُرتا پیچھے سے پھٹا ہے تو کہا یہ تم عورتوں کی چال ہے۔ اور تمہاری چالیں بڑی خطرناک ہوتی ہیں۔ ۴۷ ۔

يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ﴿٢٩﴾

۲۹ یوسف ! اس سے درگذر کر۔ اور اے عورت ! تو اپنے گناہ کی معافی مانگ دراصل تو ہی خطاوار ہے۔ ۴۸ ۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَن نَّفْسِهِ ۖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۖ إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٣٠﴾

۳۰ اور شہر کی بعض عورتیں کہنے لگیں ۔ عزیز کی بیوی اپنے غُلام کو رجھانے میں لگی ہوئی ہے ۔ اس کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے۔ ہمارے خیال میں تو وہ صریح غلط راہ پر پڑ گئی ہے۔ ۴۹ ۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَٰذَا بَشَرًا ۚ إِنْ هَٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿٣١﴾

۳۱ اس (عورت) نے جب ان کی یہ مکّارانہ باتیں سنیں تو انہیں بلا بھیجا ۵۰ ۔ اور ان کیلئے تکیہ والی مجلس آراستہ کی اور ہر ایک کو ایک ایک چھری پیش کر دی۔ ۵۱ ۔ اور یوسف سے کہا ان کے سامنے نکل آؤ۔ جب ان عورتوں نے اسے دیکھا تو اس کی عظمت سے متاثر ہوئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں۔ اور پکار اٹھیں حاش للہ ! (پاکی ہے اللہ کے لئے) یہ انسان نہیں۔ یہ تو بزرگ فرشتہ ہے۔ ۵۲ ۔

قَالَتْ فَذَٰلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ ۖ وَلَقَدْ رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ ۖ وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ مَا آمُرُهُ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونًا مِّنَ الصَّاغِرِينَ ﴿٣٢﴾

۳۲ وہ بولی یہ ہے وہ شخص جس کے بارے میں تم نے مجھے ملامت کی تھی ۵۳ ۔ میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی مگر یہ بچ رہا ۵۴ ۔ اور اگر یہ میرا کہنا نہ مانے گا تو قید کیا جائے گا اور ذلیل ہوگا۔ ۵۵ ۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ۖ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُن مِّنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٣٣﴾

۳۳ یوسف نے دعا کی اے میرے رب ! قید مجھے پسند ہے بہ نسبت اس کے جس کی طرف یہ مجھے بلا رہی ہے ۵۶ ۔ اور اگر تو نے ان کی چال سے مجھے نہ بچایا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔ ۵۷ ۔

فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٤﴾

۳۴ اس کے رب نے اس کی دعا قبول فرمائی اور ان کی چالوں سے اسے بچایا ۵۸ ۔ بلاشبہہ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

۴۵۔ یوسف نے نہایت شریفانہ انداز سے مختصر جواب دیا، جو ان کی بے گناہی کو ظاہر کرنے کے لئے کافی تھا۔ اور یہ مثال تھی اس بات کی کہ ۔ع

پاک دامانی حریف چاک دامانی نہیں

۴۶۔ دونوں کے بیانات مختلف تھے اور واقعہ کا کوئی گواہ نہ تھا۔ اس لئے عورت کے رشتہ داروں میں سے ایک شخص نے جو معاملہ فہم تھا قرینہ کی گواہی (Circumstantial Evedance) پیش کی، کہ اگر یوسف کا کُرتا آگے سے پھٹا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اقدام یوسف کی طرف سے ہوا تھا اور عورت اپنے کو بچانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اگر کُرتا پیچھے سے پھٹا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ عورت یوسف کے پیچھے پڑی تھی اور جب وہ اپنا دامن بچانے کے لئے بھاگنے لگا تو عورت نے پیچھے سے اس کا کُرتا گھسیٹ لیا۔ اس بات کو جو قرینہ اور علامت کی بنیاد پر کہی گئی تھی قرآن نے گواہی (شہادت) سے تعبیر کیا، جس سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ قضیوں کے معاملہ میں حالات کی گواہی (Circumstantial Evedance) یعنی قرائن اور علامتوں سے ظاہر ہونے والی باتوں کا بھی ایک مقام ہے۔

۴۷۔ کُرتے کا پیچھے سے پھٹا ہونا اس بات کا ثبوت تھا کہ اقدام یوسف کی طرف سے نہیں ہوا تھا۔ اس لئے عزیز مصر نے اپنی بیوی ہی کو قصوروار ٹھہرایا اور اس نے یوسف کے سر جو الزام تھوپ دیا تھا اس کو ایک نسوانی چال اور فریب قرار دیا۔ اس موقع پر عزیز نے عمومیت کے ساتھ یہ بات جو فرمائی کہ تم عورتوں کی چالیں بڑی خطرناک ہوتی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے، کہ عورتیں جب کسی مرد کو اپنے دام محبت میں گرفتار کرنا چاہتی ہیں تو بڑے خطرناک کھیل کھیلتی ہیں۔ وہ ایک غلط کام کر کے الزام دوسرے کے سر تھوپ دیتی ہیں کیوں کہ انہیں اپنے دامن کے داغ دکھائی نہیں دیتے۔ اور نہ ان میں اتنی جرأت ہوتی ہے کہ اپنے قصور کا اعتراف کریں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر عورت ایسی ہی ہوتی ہے بلکہ مراد صرف وہ عورتیں ہے جن کی ذہنیت غلط ہوتی ہے کیوں کہ ایسی حرکتیں ان ہی سے صادر ہوتی ہیں۔

۴۸۔ عزیز نے اپنی بیوی کو قصوروار تو ٹھہرایا لیکن اس میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ اس کے خلاف کوئی کارروائی کرتا۔ پھر اسے اپنی بیوی کی بدنامی کا بھی اندیشہ تھا اس لئے اس نے یوسف سے کہا کہ وہ درگذر سے کام لے۔

۴۹۔ جب شہر میں اس واقعہ کا چرچا ہونے لگا تو بعض عورتوں نے اس پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا، کہ کہاں یہ خاتون مصر جو ایک اعلیٰ منصب رکھنے والے کی بیوی ہے اور کہاں ایک کنعانی غلام جس پر وہ فریفتہ ہوگئی ہے۔ ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اس غلام کو آخر کیا چار چاند لگے ہیں جو اسے اپنی ہوس کا نشانہ بننے کے لئے مجبور کر رہی ہے۔ کیا وہ اپنی ہوس کو پورا کرنے کے لئے دوسرے ذرائع اختیار نہیں کر سکتی جب کہ وہ جاہ و مال سب کچھ رکھتی ہے۔

۵۰۔ یعنی عزیز کی بیوی نے جب یہ سنا کہ عورتیں اس کے خلاف باتیں بنا رہی ہیں، تو اس نے اس کے جواب میں یہ چال چلی کہ اُن کو اپنے گھر مدعو کیا۔

۵۱۔ یہ دعوت پُرتکلف تھی اور بڑے اہتمام سے کی گئی تھی۔ اس وقت مصر ایک متمدن ملک تھا اس لئے رواج کے مطابق تکیہ دار مجلس آراستہ کی گئی۔ اور ضیافت کے لئے جو چیزیں پیش کی گئیں ان کے ساتھ چھریاں بھی رکھ دی گئیں تا کہ وہ پھل اپنے ہاتھ سے کاٹ کر کھائیں۔ (عربوں میں آج بھی یہ رواج ہے کہ وہ مہمانوں کے سامنے پورے پورے پھل رکھ دیتے ہیں اور ساتھ میں چھری بھی تا کہ مہمان حسب منشاء اپنے ہاتھ سے پھل کاٹ کر کھائیں۔)

۵۲۔ یوسف غلام کی حیثیت میں تھے اس لئے خواتین کی اس مجلس میں انہیں نکل آنے کا جو حکم دیا گیا اس کی تعمیل کے بغیر تو چارۂ کار نہیں تھا۔ مگر اس موقع پر بھی انہوں نے تقویٰ کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اس مجلس میں شریک ہونے والی خواتین ظاہر ہے امیروں اور رئیسوں کے گھر کی خواتین رہی ہوں گی۔ اور اس پُرتکلف مجلس کیلئے خوب سج دھج کر آئیں ہوں گی۔ مگر یوسف ان کے سامنے اس شریفانہ انداز سے آئے کہ ان کی طرف نگاہِ غلط اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ پھر ان کا حسن ظاہر ان کے حسن باطن کا اور ان کا خوبصورت چہرہ ان کے خوبصورت کردار کا آئینہ دار تھا۔ گویا جمال یوسفی نے جلال یوسفی کا رنگ اختیار کر لیا تھا۔ اسلئے جب ان خواتین نے انہیں دیکھا تو ایک عظیم شخصیت کی جھلک ان کے چہرہ پر دکھائی دی اور وہ ایسی متاثر ہوئیں کہ وہ پکار اٹھیں یہ آدمی نہیں بلکہ بزرگ صفت فرشتہ ہے۔

یہ بات ان کے ضمیر کی آواز تھی اس لئے بے ساختہ ان کی زبان سے نکل گئی اور وہ یُوسف کا پُر جمال اور پُروقار چہرہ دیکھ کر ایسی دنگ رہ گئیں کہ بجائے پھل کاٹنے کے اپنے ہاتھ زخمی کر بیٹھیں۔ یہ دراصل ان کی بری اغراض کی قدرتی سزا تھی جو ان کو فوراً مل گئی۔

یہ مجلس کسی اچھے ارادہ سے منعقد نہیں گئی تھی بلکہ اس کے پیچھے ایک سازش تھی جو یوسف کے خلاف کی گئی تھی۔ یہ بات آیتوں کے بین السطور سے بھی واضح ہے اور آگے جیسا کہ آیت ۳۳ میں بیان ہوا ہے، یوسف نے واضح طور سے اس واقعہ کو قید (سازش) سے تعبیر کیا ہے۔ یہ سازش عزیز کی بیوی نے کی تھی اور اس میں یہ خواتین بھی شریک تھیں۔ عزیز کی بیوی کا مقصد اس مجلس کو آراستہ کرنے سے یہ تھا کہ ان خواتین کو جو مجھے ملامت کر رہی ہیں اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہو جائے کہ میں کسی ایسے ویسے غلام پر فریفتہ نہیں ہوئی ہوں، بلکہ ایک ایسے نوجوان سے محبت کی پینگیں بڑھا رہی ہوں جو یکتائے زمانہ ہے اس لئے میں نے کوئی حماقت نہیں کی۔ ساتھ ہی وہ چاہتی تھی کہ جو گناہ وہ کرنا چاہتی ہے اس میں ان خواتین کو بھی شریک کر لے تاکہ پھر وہ اسے ملامت نہ کر سکیں۔ نیز سب خواتین مل کر یوسف کو اپنی رعنائیوں سے ایسا لبھانے کی کوشش کریں کہ وہ دل ہار جائے۔

اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت مصر کا ماحول کیا تھا۔ محلوں میں رہنے والی بیگمات اپنی ہوس کو بجھانے کے لئے غلاموں کو استعمال کرتی تھیں، کیونکہ اس وقت گھر گھر غلام ہوا کرتے تھے۔ اور عیاشی کا یہ نہایت آسان اور محفوظ ذریعہ تھا۔ اس بنا پر عزیز کی بیوی کا اور خواتین مجلس کا یوسف کو رجھانے کی کوشش کرنا کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ لیکن یوسف درحقیقت کسی انسان کے نہیں بلکہ خدا کے غلام تھے اس لئے انہوں نے ان سب کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

۵۳۔ یعنی اب تمہیں اندازہ ہو گیا کہ یہ اور غلاموں کی طرح غلام نہیں ہے بلکہ یہ جہاں آسمان حسن کا درخشندہ ستارہ ہے وہاں وہ ایک امتیازی شخصیت کا بھی حامل ہے۔ اس لئے میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کر کے کوئی غلطی نہیں کی۔

۵۴۔ اس طرح عزیز کی بیوی نے خواتین کی بھری مجلس میں وہ بات اُگل دی جس کو وہ اب تک چھپائے ہوئی تھی۔ یہ اپنے قصور کا اعتراف نہیں تھا بلکہ شہ زوری اور بے حیائی تھی اور جن خواتین کے سامنے اس کا اظہار کیا ان کے لچھن بھی ویسے ہی تھے۔ ع

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

۵۵۔ جب وہ ان ناز و ادا والی خواتین کے ذریعہ بھی یوسُف کو رجھانے میں ناکام رہی تو طاقت کا دباؤ ڈالنا شروع کیا اور جیل بھیجنے کی دھمکی دی۔

۵۶۔ یعنی قید کی تکلیف گوارا ہے مگر بے حیائی کا ارتکاب کرنا اور معصیت میں مبتلا ہونا مجھے گوارا نہیں۔

۵۷۔ عربی میں جاہل کا لفظ عاقل کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے (لسان العرب ج ۱۲ ص ۱۳۰) اور یہاں یہ اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے یعنی جو خواہشات اور جذبات سے مغلوب ہو جائے اور عقل سے کام نہ لے۔

یوسف کو اپنی پاکیزگی کا غرہ نہیں تھا بلکہ وہ اس کو اللہ کا فضل سمجھتے تھے اس لئے اس نازک موقع پر اللہ سے مدد کے طالب ہوئے۔

۵۸۔ کیونکہ یہ دعا، دل کی گہرائیوں سے نکلی تھی اور پاکیزہ جذبات لئے ہوئے تھی اسلئے بادلوں کو چیرتے ہوئے آسمان پر پہنچ گئی اور بارگاہ الٰہی میں قبولیت اختیار کر گئی۔ چنانچہ ان خواتین نے یوسف کو پھانسنے کے لئے جو جال بچھایا تھا اس سے وہ محفوظ رہے۔

یوسف یعقوب کی آنکھوں کا تارا اور ان کا نورِ نظر تھے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ یوسف جیسی شخصیت دنیا میں مشکل ہی سے پیدا ہوتی ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

❑❑❑❑❑❑

بقیہ صفحہ ۷۱۹ سے آگے

یوسف نے اپنی پاکیزگی کی وہ اعلیٰ مثال قائم کی جس کا ذکر حدیث نبوی میں اس طرح ہوا ہے۔ ''سات اشخاص ہیں جن پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنا سایۂ عاطفت فرمائے گا۔ ان میں ایک شخص وہ ہوگا جس کو کسی جاہ و جمال والی عورت نے برائی کی دعوت دی، مگر اس نے جواب دیا میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔''

(بخاری کتاب الاذان)

۴۳۔ یعنی وہ ہمارے مقبول بندوں میں سے تھا۔

۴۴۔ یوسف دروازے کی طرف اس لئے دوڑے کہ وہ اپنے کو اس فتنہ سے بچائیں۔ لیکن عزیز کی بیوی اس لئے دوڑی کہ ان کو دروازہ کھولنے نہ دے اور برائی کے لئے مجبور کرے۔ چنانچہ اس نے یوسف کا پیرہن پیچھے سے اس زور سے گھسیٹا کہ پھٹ گیا۔ مگر یوسف دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گئے۔ اتفاق کی بات یہ کہ اس وقت عزیز، دروازہ کے پاس ہی موجود تھا۔ اس کو دیکھ کر بیوی سٹ پٹائی اور اپنی غلط کاری پر پردہ ڈالنے کے لئے جھٹ یوسف کے سر الزام دھرا۔

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ۝۳۵

۳۵ پھر باوجود اس کے کہ وہ نشانیاں دیکھ چکے تھے ان کی رائے یہی ہوئی کہ اُسے کچھ عرصہ کے لئے قید کر دیں۔ ۵۹؎

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۳۶

۳۶ اور اس کے ساتھ دو اور نوجوان بھی قید خانہ میں داخل ہوئے ۶۰؎۔ ایک نے کہا میں کیا دیکھتا ہوں کہ شراب نچوڑ رہا ہوں ۶۱؎۔ دوسرے نے کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے ان کو کھا رہے ہیں ۶۲؎۔ ہمیں اس کی تعبیر بتائیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بڑے نیک آدمی ہیں۔ ۶۳؎

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ۭ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ۭ اِنِّىْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۳۷

۳۷ اس نے کہا جو کھانا تمہیں ملتا ہے اس کے آنے سے پہلے ہی میں تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا ۶۴؎۔ یہ اس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے ۶۵؎۔ میں نے ان لوگوں کے مذہب کو رد کر دیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں۔ ۶۶؎

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَاۗءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَي النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۳۸

۳۸ اور اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے دین کو اختیار کیا ۶۷؎۔ ہمارا یہ کام نہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور لوگوں پر ۶۸؎۔ لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ ۶۹؎

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۳۹

۳۹ اے جیل کے ساتھیو! بہت سے الگ الگ رب بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟ ۷۰؎

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَاۗءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۰

۴۰ اس کو چھوڑ کر تم جن کی پرستش کرتے ہو وہ محض چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں ۷۱؎۔ اللہ نے ان کیلئے کوئی حجت نازل نہیں کی۔ حاکمانہ اختیار اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں۔ ۷۲؎ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو ۷۳؎۔ یہی صحیح دین ہے ۷۴؎۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ۷۵؎

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۭ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝۴۱

۴۱ اے جیل کے ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا۔ اور دوسرا سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرندے اس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ اس بات کا فیصلہ ہو چکا جس کے بارے میں تم پوچھ رہے تھے۔ ۷۶؎

۵۹۔ یعنی یوسف کی بے گناہی کی ساری علامتیں دیکھ لینے کے باوجود، ان لوگوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ یوسف کو ایک مدت تک کے لئے جیل بھیج دیا جائے، تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ جرم یوسف ہی سے سرزد ہوا تھا۔ اور عزیز مصر کی جو بدنامی ہو رہی ہے اس سے وہ بچ جائے۔

۶۰۔ بائبل کے بیان کے مطابق ایک شاہ مصر کا ساقی سردار تھا اور دوسرا نان بائی سردار۔ اور ان دونوں کو شاہ مصر نے کسی جرم میں جیل بھیج دیا تھا۔

۶۱۔ دونوں نے اپنے خواب بیان کئے۔ ایک نے (جو ساقی تھا) کہا میں نے اپنے کو شراب نچوڑتے ہوئے دیکھا یعنی شراب کی غرض سے انگور کو نچوڑتے ہوئے دیکھا۔

۶۲۔ دوسرا شخص جس نے یہ خواب دیکھا تھا نان بائیوں کا سردار تھا۔ بائبل کی کتاب پیدائش باب ۴۰ میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے، مگر اس صحت کے ساتھ نہیں جس صحت کے ساتھ قرآن نے بیان کیا ہے۔

۶۳۔ ان کے اس بیان سے واضح ہوا کہ یوسف کا کردار جیل میں بھی بلند رہا اور وہ نیک شخص کی حیثیت سے وہاں مشہور ہوئے۔ بائبل میں ہے:

''لیکن خداوند یوسف کے ساتھ تھا۔ اس نے اس پر رحم کیا اور قید خانہ کے داروغہ کی نظر میں اس کو مقبول بنایا۔ اور قید خانہ کے داروغہ نے سب قیدیوں کو جو قید میں تھے یوسف کے ہاتھ میں سونپا۔ اور جو کچھ وہ کرتے اس کے حکم سے کرتے تھے۔ اور قید خانہ کا داروغہ سب کاموں کی طرف سے جو اس کے ہاتھ میں تھے بے فکر تھا اس لئے کہ خداوند اس کے ساتھ تھا اور جو کچھ وہ کرتا خداوند اس میں اقبال مندی بخشتا تھا'' (پیدائش ۳۹: ۲۱ تا ۲۳)

خواب کی تعبیر بتانے کا اہل وہی شخص ہو سکتا ہے جو نیک ہو۔ اس کا احساس ایک فطری بات ہے اس لئے خواب دیکھنے والوں نے تعبیر کے لئے یوسف کی طرف رجوع کیا۔

۶۴۔ یوسف چونکہ اس موقع پر ان کے سامنے توحید کی دعوت پیش کرنا چاہتے تھے، اس لئے انہوں نے ان کے اطمینان کے لئے یہ بات کہی تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ بات طویل ہوگی۔ اور اس دوران اگر کھانے کا وقت ہو گیا تو انہیں اٹھ جانا پڑے گا اور ان کے اصل سوال کا جواب رہ جائے گا۔

۶۵۔ یعنی خواب کی تعبیر کا علم اللہ کا بخشا ہوا ہے۔ یوسف نے اس کو اپنا کمال نہیں بتایا بلکہ اللہ کے فضل سے تعبیر کیا۔

۶۶۔ اشارہ ہے مصر کی حکمراں قوم کے مذہب کی طرف جو نہ اللہ کی وحدانیت پر یقین رکھتی تھی اور نہ آخرت کی جزا و سزا کی قائل تھی۔ ان کا مذہب شرک اور دنیا پرستی کا مذہب تھا۔

یوسف اگرچہ غلام کے حیثیت میں تھے اور مصر کا ماحول ان کے لئے بالکل نیا تھا۔ مگر انہوں نے ماحول کا کوئی اثر قبول نہیں کیا بلکہ علی وجہ البصیرت اللہ کے سچے دین (اسلام) پر قائم رہے۔

۶۷۔ یوسف کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ جس دین کو میں نے اختیار کیا ہے وہ کوئی ''قومی ورثہ'' نہیں بلکہ انبیائی ورثہ ہے۔ یہ ان تاریخ ساز بزرگوں کا دین ہے جو اپنی صداقت، پاکیزگی اور تقویٰ کے لئے مشہور ہوئے۔ ساتھ ہی یوسف نے اپنا تعارف بھی پیش کیا کہ وہ اس **سلسلۃُ الذَّھب** (سونے کی زنجیر) کی کڑی ہیں۔

۶۸۔ یعنی یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ان انبیاء کے ذریعہ دین توحید کی طرف رہنمائی کی جو دین فطرت ہے۔ اس کا یہ احسان نہ صرف خاندان نبوت پر ہے بلکہ تمام انسانوں پر ہے۔ کیونکہ یہ شخصیتیں بھٹکتی ہوئی انسانیت کے لئے روشنی کا مینار تھیں۔

۶۹۔ شکر کا مفہوم یہاں بالکل واضح ہے۔ یعنی توحید اور انبیاء علیہم السلام کے دین کو اللہ کا فضل سمجھ کر قبول کرنا۔

۷۰۔ یعنی لوگوں نے اس کائنات کو مختلف خداؤں میں جو بانٹ رکھا ہے اور ہر وقت کیلئے ایک الگ خدا فرض کر کے ان کی پرستش کر رہے ہیں، یہ صورتحال نہ صرف حقیقت واقعہ کے خلاف ہے بلکہ انسان کیلئے پریشان کن بھی۔ کہ وہ کس کس خدا کا وفادار بنکر رہے اور کس کس کو خوش کرتا رہے۔ برخلاف اس کیلئے اللہ کو

واحد خدا ماننے کی صورت میں تمام ذہنی پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں اور قلب کو سکون نصیب ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک خدا کو مان لینا حقیقت واقعہ کو تسلیم کر لینا ہے۔۔۔ ایسا خدا جس کے سامنے کائنات کی ہر چیز بے بس ہے، جو سب پر غالب ہے اور تنہا سب پر کنٹرول کر رہا ہے۔

متعدد خداؤں کو تسلیم کرنے کی صورت میں انسان کی وفاداریاں بٹ جاتی ہیں۔ جب کہ ایک خدا کا عقیدہ اس کی وفاداریوں کو اپنے خالق کے لئے مختص کر دیتا ہے۔ ایک غلام بہت سے آقاؤں کی غلامی کو ہرگز پسند نہیں کرتا بلکہ ایک آقا کی غلامی ہی کو بہتر خیال کرتا ہے۔ مگر اتنی معقول بات بھی مشرکوں کی سمجھ میں نہیں آتی اور وہ متعدد اور متفرق خداؤں کے قائل ہو جاتے ہیں اگر مصر میں چند ''خداؤں'' کی پرستش ہوتی تھی تو بھارت میں ان گنت خدا بنا لئے گئے ہیں۔ بالفاظ دیگر بھارت کا مشرکانہ مذہب قدیم مصر کے مشرکانہ مذہب سے بہت آگے ہے!

۷۱۔ اس کی تشریح سورۂ اعراف نوٹ ۱۱۲۔ میں گذر چکی۔

۷۲۔ یعنی حکم خواہ تکوینی طبعی (Physical) ہو یا تشریعی، شرعی قانون (Shariyat Law) نیز تمام معاملات میں فیصلہ کرنے کا اختیار اللہ ہی کو ہے۔ جہاں تک طبعی دنیا کا تعلق ہے اس میں اللہ ہی کا حکم اور اس کے فیصلے نافذ ہوتے ہیں۔ اس میں کسی کا بھی ذرہ برابر عمل دخل نہیں ہے۔ رہا دین و شریعت کا معاملہ تو اس معاملہ میں بھی اللہ ہی کو حکم دینے، قانون بنانے اور فیصلہ کرنے کا اختیار ہے، کہ وہ حقیقی معنیٰ میں شارع (Law Giver) ہے اور اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو زندگی کے جملہ معاملات میں حاکم تسلیم کر لیا جائے۔ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللهِ (جس بات میں تم اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ ہی کی طرف ہے۔ (سورہ شوریٰ۔۱۰)

۷۳۔ اللہ نے حکم دیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ اور حکم دینے کا اختیار اسی کو ہے۔۔۔ کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مگر لوگ حکم دیتے ہیں۔۔۔۔ اور انہیں حکم دینے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔۔۔۔۔ کہ بتوں کو پوجو اور غیر اللہ کی عبادت کرو۔ اللہ کا حکم سراسر حق ہے اور لوگوں کا حکم سراسر باطل۔

۷۴۔ یعنی صحیح اور سچا دین صرف دین توحید ہے اس کے سوا جتنے مذہب بھی ہیں نہ صحیح ہیں اور نہ سچے۔

۷۵۔ یہ بات یوسف علیہ السلام نے اس وقت فرمائی تھی جب کہ دنیا پر تاریکی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ مگر آج کی دنیا پر بھی جب کہ تعلیم کی روشنی عام ہوئی ہے یہ بات پوری طرح صادق آتی ہے۔ کیوں کہ دنیا کی بیشتر آبادی دین توحید سے نا آشنا ہے۔

یوسف کی یہ دعوت جو انہوں نے اپنے قید خانہ کے ساتھیوں کے سامنے پیش کی، اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں قید خانہ میں نبوت عطاء ہوئی تھی۔ اور انہوں نے تبلیغ کا آغاز قید خانہ ہی میں کر دیا تھا۔

۷۶۔ ان کے خواب کی تعبیر یوسف نے اس قطعیت کے ساتھ اس لئے بتائی کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے اس کا علم بخشا تھا۔ نیز وہ نبوت سے بھی سرفراز کئے گئے تھے۔ تعبیر یہ تھی کہ ساقی سردار رہائی پا کر حسب سابق بادشاہ کو شراب پلانے کی خدمت انجام دے گا اور نان بائی سردار کو پھانسی دی جائے گی اور پرندے اس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ یہ تعبیر بالکل سچی ثابت ہوئی۔

اور جس کے بارے میں اس نے سمجھا تھا کہ رہا ہو جانے والا ہے اس سے کہا کہ اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا مگر شیطان نے اس کو اپنے آقا سے ذکر کرنا بھلا دیا اور وہ کئی سال جیل میں پڑا رہا۔ اور بادشاہ نے کہا کہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز بالیں ہیں اور دوسری سات خشک۔ اے اہل دربار! میرے خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر بتانا جانتے ہو۔ انہوں نے کہا یہ پریشان خواب ہیں۔ اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔ اور ان دونوں میں سے جو رہا ہو گیا تھا اسے ایک عرصہ کے بعد بات یاد آ گئی۔ اور وہ بول اٹھا میں آپ لوگوں کو اس کی تعبیر بتا دیتا ہوں۔ مجھے (یوسف کے پاس) بھیج دیجئے۔ (القرآن)

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا
اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ فَاَنْسٰىهُ
الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲ اور جس کے بارے میں اس نے سمجھا تھا کہ رہا ہو جانے والا ہے اس سے کہا کہ اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا ۷۷ مگر شیطان نے اس کو اپنے آقا سے ذکر کرنا بھلا دیا اور وہ کئی سال جیل میں پڑا رہا۔ ۷۸

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ
سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰۤاَیُّهَا
الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳ اور بادشاہ نے کہا کہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز بالیں ہیں اور دوسری سات خشک۔ اے اہل دربار! میرے خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر بتانا جانتے ہو۔

قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴ انہوں نے کہا یہ پریشان خواب ہیں۔ اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔ ۷۹

وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ
فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾

۴۵ اور ان دونوں میں سے جو رہا ہو گیا تھا اسے ایک عرصہ کے بعد بات یاد آ گئی ۸۰۔ اور وہ بول اٹھا میں آپ لوگوں کو اس کی تعبیر بتا دیتا ہوں۔ مجھے (یوسف کے پاس) بھیج دیجئے۔

یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ
سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ
یٰبِسٰتٍ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَی النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾

۴۶ یوسف اے صداقت شعار! ۸۱ ہمیں اس کی تعبیر بتائیے کہ سات موٹی گایوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیں سبز ہیں اور دوسری سات خشک۔ تاکہ میں لوگوں کے پاس واپس جاؤں اور وہ (اس کی تعبیر) جان لیں۔ ۸۲

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ
فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷ اس نے کہا سات سال تک لگاتار تم لوگ کاشت کرو گے۔ اس دوران جو فصلیں تم کاٹو انہیں ان کی بالوں ہی میں رہنے دو سوائے اس تھوڑی مقدار کے جو تمہارے کھانے کے کام آئے۔ ۸۳

ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ مَا
قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸ پھر اس کے بعد سات سخت سال آئیں گے جو اس (ذخیرہ) کو کھا جائیں گے جو تم نے جمع کر رکھا ہو گا بجز اس قلیل مقدار کے جو تم محفوظ کر رکھو۔ ۸۴

ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ
وَفِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹ پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں لوگوں پر باران رحمت بھیجی جائے گی اور وہ رس نچوڑیں گے۔ ۸۵

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ
قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ
النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ﴿۵۰﴾

۵۰ اور بادشاہ نے کہا اس کو میرے پاس لاؤ ۸۶۔ جب قاصد اس کے پاس پہنچا تو اس نے کہا اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ ۸۷۔ اور اس سے دریافت کرو کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے ۸۸۔ میرا رب ان کی چال سے خوب واقف ہے۔

۷۷۔ ذکر سے مراد یوسف کا وہ تعارف ہے جو اس رہا ہو جانے والے شخص کو قید خانہ میں حاصل ہوا تھا۔ اس تعارف میں جیسا کہ اوپر کی آیات سے واضح ہے تین باتیں شامل تھیں۔ ایک یوسف کا نیک کردار ہونا، دوسرے ان کی طرف سے پیش کی جانے والی دعوت توحید اور تیسرے خواب کی تعبیر کا وہ علم، جو اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے ان کو بخشا تھا اور جس کے مطابق ان کی بتائی ہوئی تعبیر صحیح نکلی۔ اس سے یوسف کا منشا یہ تھا کہ ایک نبی کا تعارف بادشاہ سے ایک ایسے شخص کے ذریعہ ہو جائے جس کو اس کی صحبت میں رہنے اور اس کے بارے میں صحیح رائے قائم کرنے کا موقع ملا تھا۔ تاکہ بلا وجہ کی قید کا سلسلہ ختم ہو جائے اور فرائض نبوت (دعوت وتبلیغ) کیلئے راہ کھل جائے۔ یہ نہایت مقدس مقصد تھا اس لئے اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ انہوں نے نہ اپنی مظلومی کی داستان سنانے کیلئے کہا تھا۔ اور نہ اس بنا پر کسی بے چینی کا اظہار کیا تھا۔ لیکن اگر بالفرض انہوں نے اپنی مظلومی کا ذکر بادشاہ سے کرنے کیلئے کہا تھا تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ کیا مظلوم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ انصاف کا مطالبہ کرے؟ کسی کافر حکومت سے بھی انصاف کا مطالبہ کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یوسف کو بادشاہ نے جیل نہیں بھجوایا تھا۔ بلکہ عزیز نے بھجوایا تھا اور غالباً بادشاہ اس سے لاعلم ہی رہا ہوگا۔ اس لئے یوسف کا یہ کہنا کہ بادشاہ سے میرا ذکر کرنا سفارش کرانے کے معنیٰ میں نہیں تھا، بلکہ حقیقت حال سے واقف کرانے کے مفہوم میں تھا۔ اور اس کے پیش نظر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ یوسف نے کوئی ایسی بات کہی تھی جو ان کے مقام سے فروتر تھی۔

بنابرایں جن مفسرین نے بعض روایتوں کا سہارا لے کر یوسف کی اس بات کو ان کی خطا پر محمول کیا ہے، وہ خود خطا پر ہیں اور وہ روایتیں قابل اعتبار نہیں۔

۷۸۔ یعنی شیطان نے اس کو ایسا غافل کر دیا کہ اتنی اہم بات کا ذکر بادشاہ سے نہ کر سکا۔ نتیجہ یہ کہ یوسف کی رہائی کی صورت نکل نہ سکی اور مزید چند سال انہیں جیل میں رہنا پڑا۔

معلوم ہوا کہ کسی اہم بات کو بھلا دینے میں شیطان کو خاص دخل ہے۔ اور شیطان یہ کام وسوسہ اندازی کے ذریعہ کرتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ یوسف نے بادشاہ سے ذکر کرنے کی جو بات کہی تھی وہ ایک اچھی بات تھی۔ اسی لئے شیطان نے اس کو پسند نہیں کیا اور رہا ہونے والے شخص کو بھلاوے میں ڈال دیا۔ اگر یوسف کی یہ بات ایک لغزش ہوتی تو اس شخص کا بھول جانا اچھا ہی تھا۔ ایسی صورت میں اس کو بھلاوے کو شیطان کی طرف منسوب نہ کیا جاتا۔

۷۹۔ بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتانے کے لئے جس بصیرت کی ضرورت تھی وہ اہل دربار میں سے کسی کو حاصل نہیں تھی۔ اس لئے جب یہ خواب ان کی سمجھ میں نہیں آیا تو انہوں نے کہا یہ خواب پریشان ہے جس کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔

واضح رہے کہ خواب تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ جن میں لاشعور (Sub Concious) کام کر رہا ہوتا ہے اور دبی ہوئی خواہشات کسی روپ میں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ یا پھر معدے کی خرابی کی وجہ سے آدمی ڈراؤنے خواب دیکھ لیتا ہے۔ ایسے خواب، خواب پریشان کہلاتے ہیں اور ان کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔

دوسرے وہ خواب جو شیطانی وسوسوں کا نتیجہ ہوتے ہیں ایسے خوابوں کی بھی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔ مگر وہ فتنہ کا باعث ہوتے ہیں۔ شیطان خواب میں غلط باتیں باور کرا کے صالح عقیدہ کو متزلزل کرنے، شرک اور قبر پرستی کی طرف مائل کرنے، آپس میں بدگمانی پیدا کرنے اور میاں بیوی میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے آدمی کو ہوشیار رہنا چاہئے اور ایسے خوابوں کا کوئی اثر قبول نہیں کرنا چاہئے۔

تیسرے خواب وہ ہیں جو ''رویائے صادقہ'' کہلاتے ہیں یعنی بالکل سچے خواب، سچے خواب کی علامت یہ ہے کہ آدمی اپنے دل میں اس کا اثر محسوس کرتا ہے۔ یہ خواب کبھی تو اس طرح پورے ہوتے ہیں کہ ان کی تعبیر کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ آدمی خواب میں جو کچھ دیکھتا ہے واقعات کی صورت میں وہی کچھ اس کے سامنے آجاتا ہے۔ مگر اکثر سچے خواب اشاروں اور کنایوں کے انداز میں ہوتے ہیں۔ ایسے خواب اپنے گہرے معنیٰ رکھتے ہیں اس لئے ان کی تعبیر وہی شخص بتا سکتا ہے جو علم میں بصیرت رکھتا ہو۔ قرآن کے علاوہ احادیث صحیحہ میں رویائے صادقہ کے جو واقعات پیش کئے گئے ہیں اور ان کی جو تعبیر بیان ہوئی ہیں وہ بڑی بصیرت افروز ہے۔

(مزید تشریح کے لئے آگے دیکھئے نوٹ ۸۵۔)

۸۰۔ یعنی ساقی جو یوسف کے بارے میں بادشاہ سے ذکر کرنا بھول گیا تھا، اس موقع پر جب کہ بادشاہ کے خواب پر بحث ہو رہی تھی، یوسف کی یاد اس کے ذہن میں تازہ ہوگئی۔

بائبل میں بادشاہ کا خواب بیان ہوا ہے۔ اور یہ صراحت ہے کہ بادشاہ نے مصر کے تمام جادوگروں اور دانشوروں کو بلا کر ان سے اس خواب کی تعبیر پوچھی مگر وہ تعبیر بتا نہ سکے۔ اس وقت سردار نے بادشاہ سے کہا ''میری خطائیں آج مجھے یاد آئیں۔۔۔۔۔ وہاں (یعنی قید خانہ میں) ایک عبری جوان جلوداروں کے سردار کا نوکر ہمارے ساتھ تھا۔ ہم نے اسے اپنے خواب بتائے اور اس نے ان کی تعبیر کی۔۔۔۔۔۔ اور جو تعبیر اس نے بتائی تھی ویسا ہی ہوا۔'' (پیدائش ۴۱: ۹ تا ۱۳)

۸۱۔ ساقی بادشاہ کی اجازت سے قید خانہ گیا اور یوسف کو صدیق (پیکر صدق) کہہ کر خطاب کیا۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جیل میں یوسف کے ساتھ رہ کر ان کی سیرت سے کس درجہ متاثر ہوا تھا۔

۸۲۔ یعنی لوگوں کو بادشاہ کے خواب کی تعبیر جاننے کا شدید انتظار ہے۔ لہٰذا آپ مجھے اس کی تعبیر بتا دیجئے تاکہ میں جا کر انہیں اس سے باخبر کروں۔

۸۳۔ یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر اس طرح بتائی کہ اس کے ساتھ تدبیر کا پہلو بھی واضح ہوا۔ یعنی اس بات کی کہ اس موقع پر کیا احتیاطی تدابیر اختیار کی جانی چاہئیں۔

اناج کو بالوں میں رہنے دینے کی ہدایت اس لئے کی، تاکہ وہ کیڑوں مکوڑوں سے محفوظ رہے۔ خواب کی تعبیر یہ تھی کہ سات موٹی گایوں سے مراد خوشحالی کے سات سال ہیں اور سات سبز بالوں سے مراد سات سال کی اچھی فصلیں ہیں۔

۸۴۔ سات دبلی گایوں کی تعبیر یہ تھی کہ سات سال بدحالی کے آئیں گے اور سات خشک بالوں کا مطلب خشک سالی تھی جو سات سال تک رہے گی۔ اور سات دبلی گایوں کے سات فربہ گایوں کو کھا لینے کا مطلب یہ تھا کہ خوشحالی کے دوران جو غلہ محفوظ کر کے رکھا جائے گا، وہ خشک سالی کے دوران کھانے کے کام آئے گا۔ اور صرف اتنا ہی اناج بچ جائے گا جس کو بیج بونے کی غرض سے محفوظ رکھا جائے گا۔

۸۵۔ یہ خواب کی تعبیر پر ایک خبر کا اضافہ تھا جس کی پیشین گوئی یوسف علیہ السلام نے کی۔ ظاہر ہے یہ بات وحی کے ذریعہ انہیں معلوم ہوئی ہوگی۔

رس نچوڑنے میں انگور وغیرہ کا رس نچوڑنا بھی شامل ہے اور زیتون وغیرہ سے تیل حاصل کرنا بھی۔ مطلب یہ کہ خشک سالی کا دور گذر جانے کے بعد جو سال آئے گا اس میں اچھی بارش ہوگی۔ اور بارش اچھی ہو جانے کی وجہ سے خوب پیداوار ہوگی اور پھلوں کا رس لوگ افراط سے حاصل کر سکیں گے۔

خواب کی یہ تعبیر جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا سو فیصد صحیح ثابت ہوئی۔ بادشاہ اگرچہ مسلمان نہیں تھا مگر اس کا خواب سچا تھا۔

سچا خواب درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نشانی ہے جو کبھی کبھی کافروں کو بھی دکھایا جاتا ہے تاکہ ان پر حجت قائم ہو۔ یہ خواب مستقبل میں پیش آنے والے کسی واقعہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ اور جب وہ واقعہ اسی طرح ظہور میں آتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ دنیا میں جو واقعات پیش آتے ہیں وہ محض اتفاقی حادثات نہیں ہوتے بلکہ ایک منصوبے کے تحت رونما ہوتے ہیں۔ اور اس کائنات پر ایک مدبر ہستی کی فرمانروائی ہے جو اپنی اسکیم اور منصوبہ (تقدیر) کو نافذ کرتا رہتا ہے۔ اگر دنیا کے حادثات و واقعات کسی منصوبہ کے بغیر ظہور میں آتے تو کسی واقعہ کی پیشگی خبر کسی کو نہیں ہو سکتی تھی۔ جب کہ سچے خواب جو انسان کے تجربہ میں آتے رہتے ہیں کسی واقعہ کے ظہور میں آنے سے پہلے اس کی خبر دیتے ہیں، جو واضح دلیل ہے اس بات کی کہ اس کائنات کا ایک خدا ہے اور یہاں جو کچھ ہوتا ہے اس کے بنائے ہوئے پیشگی منصوبہ (تقدیر) (Pre-Planning) کے تحت ہوتا ہے۔ اس لئے جو شخص بھی سچا خواب دیکھ لیتا ہے خواہ وہ مؤمن ہو یا کافر وہ محض ''خواب'' نہیں دیکھتا بلکہ اللہ کی حجت کو دیکھ لیتا ہے۔

۸۶۔ جب ساقی نے جا کر بادشاہ کو یوسف کی بتائی ہوئی تعبیر سے مطلع کیا تو اسے اطمینان ہوا۔ اور حیرت ہوئی کہ اس قابلیت کا آدمی جیل میں پڑا ہوا ہے اس

لئے اس نے یوسف کو بلا بھیجا۔

۸۷۔ متن میں لفظ ''رب'' استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ عربی میں آقا کے ہوتے ہیں اور اس زمانہ میں غلام اپنے آقا کے لئے یہ لفظ استعمال کرتا تھا۔ یہاں اس لغوی معنیٰ میں بادشاہ کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ کیوں کہ ساقی جو قاصد بن کر آیا تھا بادشاہ کا غلام تھا۔ لیکن چونکہ رب حقیقی معنیٰ میں اللہ ہی ہے اور آقا کیلئے یہ لفظ استعمال کرنے سے اشتباہ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ یہود و نصاریٰ کی تاریخ بتاتی ہے۔ اس لئے تکمیل شریعت میں اس کا استعمال اللہ کے لئے خاص کر دیا گیا ہے۔

۸۸۔ یوسف کے اس بیان سے ظاہر ہوا کہ انہیں اپنی رہائی کے لئے کوئی بے چینی نہیں تھی۔ بلکہ رہا ہونے سے پہلے انہوں نے اپنے معاملہ کی تحقیق ضروری سمجھی تا کہ جس الزام میں انہیں جیل بھیج دیا گیا تھا، اس کی حقیقت واضح ہو جائے۔ اس سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ یوسف نے اُذکُرنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ (اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا) کہہ کر کوئی غلطی کی تھی۔ (ملاحظہ ہو نوٹ ۷۷۔)

یہ یوسف کی شرافت تھی کہ انہوں نے بیگم عزیز کا صراحت کے ساتھ ذکر نہیں کیا۔ بلکہ ان عورتوں کا ذکر کیا جو بیگم عزیز کی سازش کے تحت جمع ہوئی تھیں اور اپنے اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھی تھیں۔ اس معاملہ کی تحقیق سے بیگم عزیز مستثنیٰ نہیں ہو سکتی تھیں اس لئے اس کا نام لینا غیر ضروری تھا۔

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدتُّنَّ يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِن سُوءٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٥١﴾

۵۱ اس نے پوچھا تمہارا کیا معاملہ ہے جب تم نے یوسف کو رجھانے کی کوشش کی تھی ۸۹؎؟ انہوں نے کہا حَاشَ لِلّٰہ ! (اللہ کے لئے پاکی ہے) ہم نے اس میں برائی کی کوئی بات نہیں پائی۔ عزیز کی بیوی بول اٹھی اب حق بالکل ظاہر ہوگیا۔ میں نے ہی اس کو رجھانے کی کوشش کی تھی اور بلاشبہہ وہ سچا ہے۔ ۹۰؎

ذَٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ﴿٥٢﴾

۵۲ یہ اس لئے کہ اسے معلوم ہوجائے کہ میں نے پیٹھ پیچھے اس کی خیانت نہیں کی۔ اور یہ کہ اللہ خیانت کرنے والوں کی چالوں کو راہ پر نہیں لگاتا۔ ۹۱؎

وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي ۚ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥٣﴾

۵۳ اور میں اپنے نفس کو بری نہیں قرار دیتا۔ نفس تو برائی پر بڑا اُکسانے والا ہے۔ مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے۔ بلاشبہہ میرا رب بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ ۹۲؎

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ۖ فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ﴿٥٤﴾

۵۴ بادشاہ نے کہا اس کو میرے پاس لاؤ تاکہ میں اسے اپنے لئے خاص کرلوں ۹۳؎۔ پھر جب اس نے گفتگو کی تو بادشاہ نے کہا آج کے دن آپ ہمارے ہاں معزّز و معتمد ہیں۔ ۹۴؎

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴿٥٥﴾

۵۵ اس نے کہا ملک کے خزانوں پر مجھے مختار بنا دیجئے۔ میں حفاظت کرنے والا ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔ ۹۵؎

وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَن نَّشَاءُ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾

۵۶ اس طرح ہم نے ملک میں یوسف کو اقتدار بخشا ۹۶؎۔ وہ جہاں چاہے رہ سکتا تھا ۹۷؎۔ ہم جسے چاہتے ہیں اپنی رحمت سے نوازتے ہیں اور نیک لوگوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتے ۹۸؎۔

وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٧﴾

۵۷ اور آخرت کا اجر کہیں بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور پرہیزگاری اختیار کی۔ ۹۹؎

وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ﴿٥٨﴾

۵۸ پھر ایسا ہوا کہ یوسف کے بھائی (مصر) آئے اور اس کے پاس حاضر ہوئے ۱۰۰؎۔ اس نے انہیں پہچان لیا مگر وہ اسے پہچان نہ سکے۔ ۱۰۱؎

وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿٥٩﴾

۵۹ اور جب اس نے ان کا سامان تیار کروایا تو کہا اب کے اپنے سوتیلے بھائی کو بھی میرے پاس لانا۔ دیکھتے نہیں کہ میں پیمانہ بھر کر پورا دیتا ہوں اور بہتر مہمان نواز ہوں۔ ۱۰۲؎

۸۹۔ بادشاہ نے ان عورتوں کو اور بیگم عزیز کو تحقیق کے لئے بلا بھیجا اور اس نے ان سے جو سوال کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ کو ذاتی طور پر اطمینان ہو گیا تھا کہ یوسف بے قصور ہے اور رجھانے کی کوشش عورتوں ہی نے کی تھی۔

۹۰۔ ہاتھ زخمی کرنے والی خواتین نے بھی یوسف کی بے گناہی کی شہادت دی اور بیگم عزیز نے بھی اعتراف کر لیا کہ قصوروار وہی تھی۔ یوسف بالکل بے گناہ اور سچا ہے۔

اس طرح چاند کے گہن سے نکل آنے پر سب نے اس کا بے داغ چہرہ دیکھ لیا۔ اور لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ یہ تو نور ہی نور ہے جس کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔

۹۱۔ بیگم عزیز کا بیان اوپر آیت ۵۱ میں ''بلاشبہہ وہ بالکل سچا ہے'' پر ختم ہو گیا۔ یہ بیان یوسف کا ہے۔ جب قید خانہ میں انہیں یہ اطلاع ملی کے تحقیق سے ثابت ہو گیا ہے کہ وہ بے قصور ہیں۔ تو انہوں نے بتایا کہ میں نے اس مرحلے میں یہ تحقیق اس لئے ضروری سمجھی تا کہ واضح ہو جائے کہ میں نے عزیز کے گھر میں اس کے در پردہ کوئی خیانت نہیں کی تھی۔ یہاں خیانت سے مراد عزیز کی بیوی سے ناجائز تعلق قائم کر لینا ہے۔

یوسف نے مزید یہ اصولی بات بھی واضح کی، کہ خیانت کار لوگ اپنی خیانت پر پردہ ڈالنے کیلئے کسی بے گناہ کے خلاف جو چالیں چلتے ہیں ان کی یہ چالیں وقتی طور سے خواہ کتنے ہی بڑے مغالطہ کا باعث بنیں۔ لیکن آخری نتیجہ کے اعتبار سے ایسے لوگ کبھی بامراد نہیں ہوتے اور ان کے چلائے ہوئے تیر اصل نشانہ کو خطا کر جاتے ہیں۔ جس کی مثال بیگم عزیز کا یہ واقعہ ہے کہ اس نے خیانت کر کے الزام یوسف کے سر ڈالنا چاہا، ان کے خلاف سازش کی اور ان کو بدنام کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، لیکن اُس سے یوسف کا کچھ نہیں بگڑا۔ ان کا مقام بلند ہوا اور بیگم عزیز کے حصہ میں رسوائی آئی۔

واضح رہے کہ بیگم عزیز کا اپنے قصور کا اعتراف کرنا تو قرآن سے ثابت ہے۔ لیکن اللہ کے حضور اس کا توبہ کرنا اور ایمان لانا ثابت نہیں۔ اور جو مشہور ہے کہ یوسف نے بعد میں بیگم عزیز (زلیخا) سے نکاح کر لیا تو یہ محض افسانہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اور نہ یہ قرین قیاس ہے کہ ایک پیغمبر ایسی عورت کو اپنے نکاح میں لانا پسند کرے گا جو اخلاقی پستی میں مبتلا رہی ہو اور جس کے حصہ میں رسوائی آئی ہو۔ وہ عزیز کی بیوی تھی اور یہ بھی ثابت نہیں کہ اس وقت عزیز کا انتقال ہو گیا تھا۔ یا اس نے اس کو چھوڑ دیا تھا پھر اس کا رشتہ یوسف سے جوڑنے میں کیا تُک ہے؟ یہی نہیں بلکہ عزیز کی بیوی کا نام ''زلیخا'' تھا یہ بات بھی نہ قرآن سے ثابت ہے اور نہ حدیث سے اور نہ بائبل ہی میں اس کی صراحت ہے۔ افسوس کہ قرآن نے عبرت و موعظمت کیلئے جو سرگذشت پیش کی تھی، افسانہ طرازی نے اسے کچھ سے کچھ کر کے رکھ دیا۔

۹۲۔ یوسف نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا اب جب کہ میرا بے قصور ہونا ثابت ہو گیا ہے، میں اس کا کریڈٹ (Credit) اپنے نفس کو نہیں دیتا بلکہ اسے اللہ کا فضل سمجھتا ہوں۔ کیوں کہ انسان کا نفس تو اسے برائی پر اکساتا رہتا ہے۔ مگر جن کو اللہ توفیق دیتا ہے وہ اپنے نفس کی خواہشات کو دباتے ہیں اور اس کے ہاتھ میں اپنی باگ ڈور دینے کے بجائے اسے زیر کر لیتے ہیں۔ نفس کو زیر کرنے کا یہ کام خدا کی مہربانی اور اس کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔

چونکہ انسان کی آزمائش خیر و شر میں مطلوب ہے، اسلئے انسانی نفس کے اندر خواہشات رکھ دی گئی ہیں۔ یہ خواہشات برائی اور گناہ کی لذت کو حاصل کرنے کیلئے اندر سے زور لگاتی ہیں۔ لیکن جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اس پر اللہ کی نظر عنایت ہوتی ہے اور وہ اسکی توفیق سے ان خواہشات کو دبانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

واضح رہے کہ بعض مفسرین نے اس بیان کو جو ذٰلِکَ لِیَعْلَمَ ''یہ اس لئے تا کہ وہ جان لے''۔۔۔۔۔۔ سے شروع ہوتا ہے بیگم عزیز کا بیان قرار دیا ہے مگر اس سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ نفس کلام دلیل ہے کہ یہ یوسف ہی کا بیان ہے۔ کلام کی روح معنیٰ کا حسن اور پروقار اسلوب بیان ایک نبی ہی کے شایان شان ہے۔ بیگم عزیز کی زبان سے یہ باتیں جچتی نہیں ہیں۔

۹۳۔ تحقیق کا نتیجہ سامنے آجانے کے بعد بادشاہ نے دوبارہ یوسف کو بلا بھیجا۔ اس اعلان کے ساتھ کہ وہ کسی کا غلام نہیں رہے گا بلکہ وہ میری مملکت کے کاموں کے لئے مخصوص ہوگا۔

۹۴۔ ظاہر ہے یوسف کی گفتگو سے دانشمندی، حکمت، حقیقت پسندی اور دور اندیشی جیسی خوبیوں کا اظہار ہوا ہوگا۔ اسلئے بادشاہ ان سے بہت متاثر ہوا اور ان

کی قدردانی کرتے ہوئے ان پر اپنے پورے اعتماد کا اظہار کیا۔ یہ اشارہ تھا اس بات کی طرف کہ یوسف بڑے سے بڑے منصب کے اہل ہیں۔ اب وہ بتائیں کہ قحط کی صورت میں ملک کو جن مسائل کا سامنا کرنا ہوگا اس کے پیش نظر انہیں اپنے ناخنِ تدبیر سے کام لینے کیلئے کس طرح کے اختیارات کی ضرورت ہوگی۔

۹۵۔ خزائن الارض (زمین کے خزانے) سے مراد زمین سے حاصل ہونے والی دولت یعنی زرعی پیداوار ہے۔ اور اس پر مختار بنا دینے سے مراد اس پر تصرف اور اس کام کی تنظیم وغیرہ کے سلسلے میں مکمل اختیارات تفویض کرنا ہے۔ چونکہ مسئلہ براہ راست غلہ کی پیداوار اور اس کی تقسیم سے متعلق تھا اس لئے یوسف (علیہ السلام) نے اس معاملہ میں مکمل اختیارات تفویض کرنے کا مطالبہ کیا۔ اور بادشاہ کے اطمینان کیلئے اس بات کا اظہار کیا کہ اس کام کیلئے جو صلاحیتیں۔۔۔ حفاظت اور علم۔۔۔ مطلوب ہیں وہ میرے اندر موجود ہیں۔

مطالبہ تو یوسف (علیہ السلام) نے موقع کی مناسبت سے اتنا ہی کیا تھا۔ مگر آگے جا کر راہیں کھلتی چلی گئیں یہاں تک کہ مصر کا کلی اقتدار ان کے ہاتھ میں آ گیا اور وہ تختِ سلطنت کے مالک بن گئے۔ چنانچہ آیت ۱۰۰ میں صراحت موجود ہے کہ جب ان کے والدین مصر پہنچ گئے تو ان کو انہوں نے تخت پر بٹھا دیا۔

یوسف (علیہ السلام) نے جو مطالبہ کیا تھا اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ ایک غیر اسلامی نظام حکومت کو چلانے کے لئے تھا۔ یہ بات نہ تو منصب نبوت سے مطابقت رکھتی ہے اور نہ تاریخ میں ایسی کوئی مثال موجود ہے۔ کہ ایک نبی نے کسی غیر اسلامی یا کافرانہ حکومت کو چلانے میں کوئی حصہ لیا ہو۔ یوسف (علیہ السلام) نے جس چیز کا مطالبہ کیا تھا وہ یہ تھی کہ پیداوار کا پورا نظام ان کے کنٹرول میں ہو اور حکومت اس میں مداخلت کرنے کے بجائے ان کی معاون و مددگار رہے۔ گویا انہوں نے اپنے لئے ایسا دائرہ کار تجویز کیا تھا جو بجائے خود مباح تھا اور یہ خدمت لوگوں کو قحط کی تکلیف اور مصیبت سے بچانے کیلئے ضروری تھی۔ نیز اس سے سوسائٹی کو خداشناس بنانے میں بڑی مدد مل سکتی تھی۔ چنانچہ علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

''یوسف نے یہ بات اس لئے کہی تا کہ اس کے ذریعہ وہ اللہ کے احکام کو جاری کر سکیں، حق قائم کر سکیں، انصاف کا دور دورہ ہو اور غلبہ حاصل کر سکیں۔ یہ من جملہ ان مقاصد کے ہے جن کے لئے انبیاء کی بعثت بندوں کی طرف ہوتی رہی ہے۔ اور یوسف کو یہ معلوم تھا کہ ان کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو ان کی جگہ اس ذمہ داری کو پورا کر سکتا ہو۔ لہٰذا انہوں نے اقتدار کا مطالبہ محض رضائے الٰہی کی خاطر کیا تھا نہ حبِّ جاہ اور دنیا کی خاطر۔'' (تفسیر کشاف ج ۲ ص ۳۲۸)

اس لئے یہ کافرانہ حکومت کو چلانا نہیں تھا بلکہ وقت کی حکومت کو ایک جائز عوامی ضرورت کے حق میں ہموار کرنا تھا۔ اور بتدریج اقتدار کو اسلام کی طرف منتقل کرانے اور معاشرہ کو اسلام سے قریب کرنے کی کوشش تھی۔ اُس دور کے نظام حکومت کو موجودہ دور کے نظام حکومت پر قیاس کرنا صحیح نہیں، جہاں اس قسم کے اختیارات کسی ایک شخص کو تفویض کرنے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اور جس کا کوئی شعبہ ملکی قوانین کی جکڑ بندیوں سے آزاد نہیں ہوتا۔ تاہم اگر کسی غیر اسلامی نظام میں مباحات کے دائرہ میں، یعنی جہاں شرعی احکام و قوانین سے تصادم نہ ہوتا ہو اور اہل ایمان اسے دینی مصالح کا تقاضا سمجھتے ہوں، تو اس سے فائدہ اٹھانے میں شرعاً کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ اس پر یہ اعتراض وارد کرنا کہ یہ نظام باطل کی معاونت ہے یا اس کے ساتھ مصالحت ہے، ایک مغالطہ کے سوا کچھ نہیں۔ انبیائی طریق کار میں ہر طرح کے حالات کے لئے رہنمائی موجود ہے اور یوسف کا طریقہ بھی ہمارے لئے اسوہ ہی ہے۔

آیت سے ضمناً یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اقتدار کا منصب کسی ایسے موقع پر، جب کہ ایک مؤمن اپنے اندر اس کی اہلیت پاتا ہو اور حالات شدت سے اس بات کے متقاضی ہوں، کہ وہ اس خدمت کے لئے اپنے کو پیش کرے تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔ جس حدیث میں عہدہ طلب کرنے کی ممانعت آئی ہے وہ جاہ طلبی کے معنیٰ میں ہے اور جو صورت اوپر بیان ہوئی وہ اس سے مختلف ہے۔

۹۶۔ یعنی یوسف کو اگرچہ مختلف مراحل سے گذرنا پڑا مگر اللہ تعالیٰ نے اقتدار کی راہ ان کے لئے اس طرح ہموار کی کہ ہر مرحلہ ان کے لئے ترقی کا زینہ ثابت ہوا۔ اور ع تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

ظاہری اسباب اس طرح بنے کہ بادشاہ نے وہ تمام اختیارات سپرد کر دیئے، جو ان کے پیش کردہ چودہ سالہ منصوبہ کو روبہ عمل لانے کے لئے ضروری تھے۔ اور اتنا ہی نہیں بلکہ انہیں مصر کا حاکم بنا دیا۔ چنانچہ آگے آیت ۷۸ میں یوسف کیلئے عزیز (بااختیار حاکم) کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ بائبل میں ہے:

''اور فرعون (یعنی اس وقت کا بادشاہ) نے یوسف سے کہا چونکہ خدا نے مجھے یہ سب کچھ دیا ہے اس لئے تیری مانند دانشور اور عقلمند کوئی نہیں۔ سو تو میرے گھر

کا مختار ہوگا۔ اور میری ساری رعایا تیرے حکم پر چلے گی فقط تخت کا مالک ہونے کے سبب سے میں بزرگ تر ہوں گا۔ اور فرعون نے یوسف سے کہا کہ دیکھ میں تجھے سارے ملک مصر کا حاکم بناتا ہوں''۔ (پیدائش ۴۱: ۳۹ تا ۴۱)

۹۷۔ کہاں یہ بات کہ یوسف کو جیل کی تنگ کوٹھری میں دن گذارنا پڑ رہے تھے۔ اور کہاں یہ صورت کہ مصر کی سرزمین میں جہاں چاہے وہ اپنے لئے ٹھکانا بنا سکتے تھے۔ بائبل میں ہے:

''اور اس نے فرعون کے پاس سے رخصت ہو کر سارے ملک مصر کا دورہ کیا۔ اور ارزانی کے سات برسوں میں افراط سے فصل ہوئی وہ لگاتار ساتوں برس ہر قسم کی خورش جو ملک مصر میں پیدا ہوئی تھی، جمع کر کے شہروں میں اس کا ذخیرہ کرتا گیا۔ ہر شہر کے چاروں اطراف کی خورش وہ اسی شہر میں رکھتا گیا۔ اور یوسف نے غلہ سمندر کی ریت کی مانند نہایت کثرت سے ذخیرہ کیا۔'' (پیدائش ۴۱: ۴۶ تا ۴۹)

۹۸۔ اور یہ واقعہ ہے کہ نیک روی کے نتائج دنیا میں اچھے ہی نکلتے ہیں، البتہ اس کیلئے وقت لگتا ہے، ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ ایک بیج کے بونے اور اس کے بارآور ہونے کے درمیان وقت کا فاصلہ ہوتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اقتدار اور اقتدار میں بڑا فرق ہے۔ جو اقتدار ظالموں کو حاصل ہوتا ہے وہ محض آزمائش کے لئے ہوتا ہے اور باعث خیر نہیں ہوتا۔ اور جو اقتدار نیکوکاروں کو حاصل ہوتا ہے اس کے ساتھ سچی عزت بھی ہوتی ہے اور باعث خیر ہوتا ہے۔ یوسف کو جو اقتدار حاصل ہوا اس کی نوعیت یہی تھی اس لئے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تعبیر کیا ہے۔

۹۹۔ یعنی ایمان لا کر تقویٰ کا رویہ اختیار کرنے والوں کو جو اجر دنیا میں دیا جاتا ہے، وہ اس انعام واکرام کے مقابلہ بہت تھوڑا ہے جس سے وہ آخرت میں نوازے جائیں گے۔ دنیا کا اجر اگر شبنم ہے تو آخرت کا اجر باران رحمت۔

۱۰۰۔ جب قحط کا زمانہ آیا تو مصر کے ساتھ قریبی ممالک فلسطین وغیرہ بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ اس وقت یوسف کے حسن انتظام کی بدولت مصر میں غلہ کا ذخیرہ تھا اسلئے اس کے بھائی کنعان سے غلہ خریدنے مصر آئے۔ اور چونکہ وہ غیر ملک سے آئے تھے اس لئے انہیں حاکم مصر (یوسف) کے پاس حاضر ہونا پڑا ہوگا۔

بائبل میں ہے: ''اور یوسف کے کہنے کہ مطابق کال کے سات برس شروع ہوئے اور سب ملکوں میں تو کال تھا پر ملک مصر میں ہر جگہ خورش (خوراک) موجود تھی۔۔۔۔۔۔ اور یعقوب کو معلوم ہوا کہ مصر میں غلہ ہے تب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا۔۔۔ تم وہاں جاؤ اور وہاں سے ہمارے لئے اناج مول لے آؤ تا کہ ہم زندہ رہیں اور ہلاک نہ ہوں۔ سو یوسف کے دس بھائی غلہ مول لینے کو مصر میں آئے۔۔۔ اور یوسف ملک مصر کا حاکم تھا اور وہی ملک کے سب لوگوں کے ہاتھ غلہ بیچتا تھا۔۔۔۔ یوسف نے تو اپنے بھائیوں کو پہچان لیا تھا پر انہوں نے اسے نہ پہچانا۔'' (پیدائش ۴۱: ۵۴ اور ۴۲: ۱ تا ۸)

۱۰۱۔ وہ یوسف کو اس لئے نہیں پہچان سکے کہ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ جس بھائی کو انہوں نے کنویں میں پھینک دیا تھا، وہ مصر کا حکمراں ہو سکتا ہے۔ اور چونکہ یوسف کو ان سے جدا ہوئے ایک طویل مدت گذر چکی تھی اسلئے ان میں جو ظاہری تبدیلی ہوئی ہوگی اس کے پیش نظر بھی ان کیلئے پہچاننا مشکل تھا۔

یوسف خوبرو تھے لیکن حسن یوسف کی نوعیت اگر واقعی ایک معجزہ کی ہوتی تو ان کے بھائی ان کو دیکھتے ہی پہچان لیتے۔ لیکن ان کا نہ پہنچاننا ظاہر کرتا ہے کہ حسن یوسف کا جو قصہ بیان کیا جاتا ہے وہ مبالغہ آرائی پر مبنی ہے۔

۱۰۲۔ مصر میں چونکہ راشننگ سسٹم تھا اس لئے یوسف نے ان سے پوچھا کہ تمہارے گھر میں کتنے افراد ہیں؟ اور جب انہوں نے اپنے سوتیلے بھائی بن یمین کا ذکر کیا ہوگا تو یوسف نے کہا ہوگا کہ آئندہ آؤ تو اس کو اپنے ساتھ لاؤ، تا کہ تمہارے بیان کی تصدیق ہو جائے۔ یہ قاعدہ کی بات تھی اور دراصل یوسف اپنے بھائی سے ملنا چاہتے تھے مگر ابھی راز فاش کرنا مناسب نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے قاعدہ کی بات بیان کی۔ ساتھ ہی اپنی مہمان نوازی وغیرہ کا بھی ذکر کیا تا کہ اُنسیت بڑھے اور وہ رغبت کے ساتھ دوبارہ آئیں۔

فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ بِهٖ فَلَا كَیْلَ لَكُمْ عِنْدِیْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾

۶۰ اگر تم اسے میرے پاس نہیں لاؤ گے تو میرے پاس تمہارے لئے کوئی غلہ نہیں ہے اور نہ تم میرے پاس آنا۔

قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

۶۱ انہوں نے کہا ہم اس کے لئے اس کے والد کو آمادہ کرنے کی کوشش کریں گے اور ہم ضرور ایسا کریں گے۔

وَقَالَ لِفِتْیٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِیْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ یَعْرِفُوْنَهَاۤ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾

۶۲ اس نے اپنے خدمتگاروں کو حکم دیا کہ ان کا دیا ہوا مال ان کے سامان میں رکھ دو۔ (اس نے یہ اس لئے کیا) تاکہ جب یہ لوگ اپنے گھر لوٹیں تو اس کو پہچان لیں اور تاکہ وہ واپس آئیں۔ ۱۰۳؎

فَلَمَّا رَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَبِیْهِمْ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَیْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَاۤ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾

۶۳ جب وہ اپنے باپ کے پاس لوٹے تو کہا ابا جان! آئندہ ہم کو غلہ دینے سے روک دیا گیا ہے لہٰذا ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے کہ ہم غلہ لائیں اور ہم ضرور اس کی حفاظت کریں گے۔

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَیْهِ اِلَّا كَمَاۤ اَمِنْتُكُمْ عَلٰۤى اَخِیْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَیْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۶۴﴾

۶۴ اس نے کہا کیا میں اس کے معاملہ میں اسی طرح تم پر اعتماد کروں جس طرح اس سے پہلے اس کے بھائی کے معاملہ میں کر چکا ہوں؟ ۱۰۴؎ اللہ ہی بہتر محافظ ہے اور سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَیْهِمْ ؕ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِیْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَیْنَا ۚ وَنَمِیْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَیْلَ بَعِیْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَیْلٌ یَّسِیْرٌ ﴿۶۵﴾

۶۵ اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کا مال بھی ان کو لوٹا دیا گیا ہے۔ کہنے لگے ابا جان! ہمیں اور کیا چاہئے۔ یہ ہمارا مال ہمیں لوٹا دیا گیا ہے۔ اب ہم اپنے گھر والوں کے لئے رسد لے آئیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت بھی کریں گے نیز ایک اونٹ غلہ مزید حاصل کرلیں گے ۱۰۵؎ اتنا غلہ تو آسانی سے مل جائے گا۔

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِیْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴿۶۶﴾

۶۶ اس نے کہا میں اس کو ہرگز تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا جب تک کہ تم اللہ کے نام پر مجھ سے یہ عہد نہ کرو کہ تم ضرور اسے میرے پاس واپس لاؤ گے الا یہ کہ تم کسی گرفت میں آجاؤ ۱۰۶؎ جب انہوں نے اس کو اپنا پکا قول دے دیا تو اس نے کہا ہمارے اس قول پر اللہ نگہبان ہے۔

وَقَالَ یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾

۶۷ اور اس نے کہا بیٹو! ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا ۱۰۷؎ میں اللہ کے مقابل تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ فیصلہ اللہ ہی کا نافذ ہوتا ہے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا۔ اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ ۱۰۸؎

۱۰۳؎ انہوں نے غلہ کی جو قیمت ادا کی تھی وہ یوسف کے حکم سے ان کے اسباب میں رکھ دی گئی۔ یوسف چاہتے تھے کہ وہ دوبارہ ان کے پاس آئیں اور مالی مشکلات ان کے لئے رکاوٹ نہ بنیں۔

۱۰۴؎ یعقوب علیہ السلام کو اس سے پہلے یوسف کے معاملہ میں تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ کیا میں اسی طرح تم پر اعتماد کر کے تمہارے ساتھ بن یمین کو بھیجوں۔

بن یمین اگرچہ بڑا ہو گیا تھا مگر ان کا سوتیلا بھائی تھا جس کو پسند نہ کرتے تھے۔ اور اس وقت کے حالات میں ان کے ساتھ بیرون ملک بھیجنا بڑے اندیشہ کی بات تھی کہ معلوم نہیں یہ دس کا جتھا اس کے ساتھ کیا کر بیٹھے۔

۱۰۵؎ یوسف نے جو راشننگ سسٹم جاری کیا تھا اس کے مطابق بیرون ملک کے لوگوں کو فی کس ایک اونٹ کے بار کے بقدر غلہ دیا جاتا تھا۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ بن یمین کو ساتھ لے جانے کی صورت میں ہم ایک اونٹ کا مزید غلہ حاصل کر سکیں گے۔

۱۰۶؎ یعنی کوئی ایسی صورت پیش آجائے کہ اس کی حفاظت کرنا تمہارے بس میں نہ ہو۔

۱۰۷؎ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصر کے باہر ایک فصیل رہی ہوگی اور اس کے کئی دروازے ہوں گے۔ یعقوب (علیہ السلام) نے یہ ہدایت انہیں اس لئے کی تا کہ جتھے کی صورت میں مصر میں داخل ہونے پر ان کو شک کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے۔ کہ معلوم نہیں یہ جتھا کس غرض سے ملک میں داخل ہوا ہے۔ شبہ اس وقت کے حالات کے پیش نظر لوٹ مار کا بھی کیا جا سکتا تھا اور جاسوسی کا بھی۔

۱۰۸؎ یعقوب (علیہ السلام) نے احتیاطی تدبیر تو بتا دی، لیکن ساتھ ہی واضح کر دیا کہ کوئی تدبیر خواہ کتنی ہی صحیح ہو، تقدیر الٰہی کے مقابل میں ہرگز کارگر نہیں ہو سکتی۔ اللہ کا فیصلہ نافذ ہو کر رہتا ہے اور ساری تدبیریں دھری کے دھری رہ جاتی ہیں۔ اس لئے انسان کے بس میں جو بہتر سے بہتر تدبیر ہے وہ کرے مگر تدبیر کو سب کچھ نہ سمجھے، بلکہ اللہ کی مشیت پر بھروسہ کرے کہ ہوگا وہی جو اللہ کو منظور ہے۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

۶۸ پھر جب وہ داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے انہیں ہدایت کی تھی، تو یہ (تدبیر) اللہ (کی تقدیر) کے مقابل میں ان کے کچھ کام نہ آسکی۔ ہاں یعقوب نے اپنے دل میں ایک ضرورت محسوس کی تھی جسے اس نے پورا کر دیا۔ بلاشبہہ وہ ہماری دی ہوئی تعلیم کی بنا پر صاحب علم تھا۔ ۱۰۹؎ لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ ۱۱۰؎

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾

۶۹ اور جب یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی اور بتایا کہ میں تمہارا بھائی ہوں تو یہ لوگ جو کچھ کرتے رہے ہیں اس پر غم نہ کرو۔ ۱۱۱؎

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾

۷۰ پھر جب اس نے (یوسف نے) ان کا سامان تیار کرایا تو اپنے بھائی کے سامان میں پیالہ رکھ دیا ۱۱۲؎۔ پھر ایک پکارنے والے نے پکارا۔ کہا اے قافلہ والو! تم چور ہو۔ ۱۱۳؎

قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾

۷۱ انہوں نے انکی طرف پلٹ کر پوچھا تمہاری کونسی چیز کھو گئی ہے۔ ۱۱۴؎

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾

۷۲ انہوں نے کہا ہمیں شاہی پیمانہ نہیں مل رہا ہے۔ اور جو شخص اس کو لا دے اس کیلئے ایک اونٹ غلہ ہے اور میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ ۱۱۵؎

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾

۷۳ انہوں نے کہا۔ ۱۱۶؎ اللہ کی قسم تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم اس ملک میں فساد کرنے نہیں آئے ہیں نہ یہ ہمارا شیوہ ہے کہ چوری کریں۔

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾

۷۴ انہوں نے کہا اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے تو (بتلاؤ) اس کی کیا سزا ہے؟

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾

۷۵ انہوں نے جواب دیا اس کی سزا یہی ہے کہ جس کے سامان میں چیز نکلے وہ اس کا بدل قرار پائے ۱۱۸؎۔ ہم ایسے ظالموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔ ۱۱۹؎

فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾

۷۶ پھر اس (یوسف) نے اپنے بھائی کی بوری سے پہلے ان کی بوریوں کی تلاشی لینی شروع کی پھر اپنے بھائی کی بوری سے اس (پیالہ) کو برآمد کر لیا ۱۲۰؎۔ اس طرح ہم نے یوسف کے لئے تدبیر کی۔ ۱۲۱؎ وہ بادشاہ کے قانون کی رو سے اسے رکھ نہیں سکتا تھا مگر یہ کہ اللہ چاہے ۱۲۲؎۔ ہم جس کیلئے چاہتے ہیں اس کے درجے بلند کر دیتے ہیں۔ ۱۲۳؎ اور ہر علم والے کے اوپر ایک ایسی ہستی موجود ہے جو زبردست علم والی ہے۔ ۱۲۴؎

۱۰۹؎ یعقوب علیہ السلام نبی تھے۔اسلئے اللہ تعالیٰ نے انہیں براہ راست علم بخشا تھا۔اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام کی تعریف فرمائی ہے کہ اگر چہ ان کی تدبیر تقدیر الٰہی کے مقابل کارگر نہ ہوسکی،مگر تدبیر اپنی جگہ مناسب ہی تھی۔اور وہ اس علم کی بنا پر جو انہیں بخشا گیا تھا تدبیر اور تقدیر کا فرق جانتے تھے۔

۱۱۰؎ یعنی اکثر لوگ نہیں جانتے کہ انسانی تدابیر کے درمیان فیصلہ کن چیز قضائے الٰہی ہی ہے۔لوگ اپنی تدبیروں ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اس لئے ان کا سارا اعتماد اپنی تدبیروں ہی پر ہوتا ہے۔اور جب اس میں ناکامی ہوتی ہے تو مایوس ہوجاتے ہیں۔یہ حقیقت سے بے خبر ہونے کا نتیجہ ہے۔

۱۱۱؎ یعنی یوسف نے اپنے سگے بھائی بن یمین کو اپنے پاس بلا کر چپکے سے بتایا کہ میں تمہارا بھائی یوسف ہوں۔اب تم اس سلوک پر افسوس نہ کرو جو یہ لوگ ہمارے ساتھ کرتے رہے ہیں۔

۱۱۲؎ یہ شاہی جام تھا اس لئے ضرور قیمتی رہا ہوگا۔اور غالباً یوسف نے وحی الٰہی سے اشارہ پا کر یہ تدبیر اختیار کی ہوگی،کہ اس کو اپنے بھائی بن یمین کے سامان میں خاموشی سے رکھ دیا۔غالباً انہوں نے یہ بات بن یمین کے علم میں لائی ہوگی۔

۱۱۳؎ پکارنے والا سرکاری افسر تھا۔اور اس کے علم میں یہ بات نہیں تھی،کہ یوسف نے خود یہ پیالہ بن یمین کے سامان میں رکھا ہے۔اس لئے جب قافلہ روانہ ہوجانے پر پیالہ نہیں ملا تو سرکاری افسر نے یہ خیال کیا،کہ جس قافلہ نے یہاں قیام کیا تھا ان ہی میں سے کسی نے اسے چرالیا ہے۔اس لئے وہ قافلہ کو تلاش کرتا ہوا گیا اور جب راستہ میں اسے پالیا،تو اپنے گمان کی بنا پر ان لوگوں پر چوری کا الزام لگایا۔

۱۱۴؎ یعنی قافلہ والوں نے سرکاری ملازمین (پولیس) سے جو افسر کے ساتھ آئے تھے،پوچھا کہ تمہاری کیا چیز کھوگئی ہے؟

۱۱۵؎ سرکاری ملازمین (پولیس) نے جب بتلایا کہ شاہی پیمانہ غائب ہوگیا ہے تو اِس افسر نے اس بات کا اعلان کیا کہ جو شخص اس کو لاکر حاضر کرے گا اس کو ایک اونٹ غلہ انعام دیا جائے گا۔اور انعام دلوانے کا ذمہ دار میں ہوں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پیمانہ بڑا قیمتی تھا۔

۱۱۶؎ یعنی برادران یوسف نے کہا۔

۱۱۷؎ یعنی سرکاری ملازمین نے کہا۔

۱۱۸؎ یعنی جس کے سامان میں چوری کی چیز نکل آئے اس کو دھرلیا جائے۔اور اس کی آزادی سلب کرلی جائے۔

۱۱۹؎ یعنی ہمارے یہاں چوری کی سزا کے لئے یہی قانون ہے۔اغلب ہے یہ قانون ابراہیم (علیہ السلام) کی شریعت کا ہوگا۔

۱۲۰؎ سرکاری افسران کو یوسف کے پاس لے آیا۔اور جب یوسف کی ہدایت کے مطابق ان کے سامان کی تلاشی لی گئی،تو پیالہ بن یمین کی بوری میں نکل آیا۔یہ بھی ممکن ہے کہ تلاشی خود یوسف نے لی ہو۔

۱۲۱؎ یوسف دراصل اپنے سگے بھائی بن یمین کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے۔وجہ ظاہر ہے یہ رہی ہوگی کہ وہ اپنے اس کام میں جوان کے سپرد ہوا تھا اپنے بھائی کو اپنا معاون بنانا چاہتے ہوں گے،تاکہ مصر کی سوسائٹی کو اسلام سے قریب کرنے میں مدد ملے۔بن یمین ان کے بگڑے ہوئے بھائیوں میں سے نہیں تھے۔بلکہ نیک کردار تھے اور انہوں ایک نبی (ان کے والد یعقوب علیہ السلام) کے گھر میں تربیت پائی تھی۔اسلئے مصر میں ان کا قیام پیش نظر مقصد کیلئے کافی مفید ثابت ہوسکتا تھا۔چنانچہ یوسف کی شدید خواہش تھی کہ وہ ان کے پاس رہ جائیں۔لیکن یوسف اپنی شخصیت کو مصلحتاً اپنے بھائیوں پر ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے۔اسلئے انہوں نے قافلہ کے ساتھ انہیں جانے دیا۔لیکن اللہ نے ایسی مخفی تدبیر کی کہ بن یمین یوسف کے پاس پہنچ گئے۔اور انہیں موقع ملا کہ راز کو افشاء کئے بغیر ان کو اپنے پاس رکھ لیں۔

۱۲۲؎ متن میں الفاظ فِی دِیْنِ الْمَلِکِ (بادشاہ کے دین میں) استعمال ہوئے ہیں۔دین کے اصل معنیٰ اطاعت کے ہیں اور یہاں یہ لفظ بادشاہ کے قانون کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔چنانچہ ابن جریر طبری نے اس کے معنیٰ فِی حُکم مَلِکِ مِصر و قضائِہٖ وَ طاعتہ منھم (مصر کے بادشاہ کے حکم،اس کے فیصلہ اور اس کی اطاعت میں) کئے ہیں۔(جامع البیان ج ۱۳ ص ۱۷) جس وقت بن یمین کی گرفتاری کا معاملہ پیش آیا مصر میں بادشاہ کا قانون نافذ تھا۔

اور ملکی قانون کی رو سے چوری کی سزا نظر بندی یا غلامی نہیں تھی بلکہ کوئی اور سزا تھی۔ ہوسکتا ہے مار پیٹ یا جرمانہ کی سزا رہی ہو۔ اگر اس سزا کو نافذ کیا جاتا تو اس سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا تھا جو بن یمین کو روک لینے کی صورت میں حاصل ہوتا۔ نیز اس صورت میں بن یمین کو بلا وجہ تکلیف بھی پہنچتی۔ ظاہر ہے یہ بات انصاف کے خلاف تھی البتہ نظر بندی یا غلامی کی سزا محض صورۃً سزا تھی حقیقۃً نہیں۔ کیوں کہ یوسف نے ان کو محض اپنے پاس روک لیا تھا۔ اور خود بن یمین سمجھ رہے تھے کہ یہ کوئی سزا نہیں ہے بلکہ مجھے روک لینے کی ایک لطیف تدبیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی گرفتاری کے خلاف کوئی احتجاج نہیں کیا اور نہ اپنی صفائی میں کچھ کہنے کی ضرورت محسوس کی۔ الغرض بادشاہ کا جو قانون مصر میں رائج تھا اس کی رو سے یوسف بن یمین کو سزا دے سکتے تھے، اپنے پاس روک کر رکھ نہیں سکتے تھے۔ البتہ اللہ کی مشیت ایسی صورت پیدا کر سکتی تھی کہ وہ ان کو روک لیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسی صورت پیدا کر دی اور یوسف کیلئے بن یمین کو روک لینا آسان ہوگیا۔ چونکہ بن یمین کا تعلق ملک کنعان سے تھا اس لئے عجب نہیں کہ بین الاقوامی قاعدہ یہ رہا ہو کہ مجرم، جس ملک کا باشندہ ہو اس پر اسی ملک کے قانون کو نافذ کیا جائے۔ اس طرح بن یمین پر شریعت ابراہیم کا قانون نافذ ہوگیا جو ہر لحاظ سے مناسب تھا۔

اس آیت کے تعلق سے کچھ سوالات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں مگر طوالت کے خوف سے ہم تفصیل میں نہ جاتے ہوئے چند ضروری وضاحتوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) آیت کے الفاظ ''مَا كَانَ لِ'' قرآن میں ''اس کے شایان شان نہیں'' یا ''اس کا یہ کام نہیں، کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوئے ہیں اور قدرت نہ رکھنے یا کر نہ سکنے کے معنیٰ میں بھی۔ پہلے معنیٰ کی مثال مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ (مریم ۳۵) ''اللہ کے شایانِ شان نہیں (یا اللہ کا یہ کام نہیں) کہ کسی کو بیٹا بنائے'' اور دوسرے معنیٰ کی مثال وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (آل عمران ۱۴۵) ''کوئی نفس اللہ کے اذن کے بغیر مر نہیں سکتا'' ہے۔ زیر تفسیر آیت میں چونکہ اِلاّ نحوی اصطلاح میں استثناء منقطع ہے۔ یعنی ''مگر'' یا ''البتہ'' کے معنیٰ میں ہے۔ اس لئے نحوی لحاظ سے یہاں قدرت نہ رکھنے یا اختیار نہ رکھنے کے معنیٰ موزوں ہو رہے ہیں۔ یعنی یوسف بادشاہ کے قانون کی رو سے اپنے بھائی کو رکھ نہیں سکتے تھے۔ بالفاظ دیگر ان کو اختیار نہیں تھا کہ وہ اپنے بھائی کو روک رکھیں۔

(۲) ابراہیم علیہ السلام کو جو شریعت دی گئی تھی وہ مجمل احکام پر مشتمل تھی۔ تفصیلی احکام بعد میں موسیٰ علیہ السلام پر تورات کی شکل میں نازل ہوئے۔ اس لئے یوسف علیہ السلام کے مصر میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے پر ایسی صورتیں بہت کم پیش آئی ہوں گی، کہ شریعت کے قانون کو نبھانا ان کے لئے مشکل ہوا ہوگا۔ ظاہر ہے اس وقت مباحات کا دائرہ زیادہ وسیع تھا۔ اور جہاں شرعی قانون خاموش ہوگا۔ وہاں یوسف کے لئے موقع ہوگا، کہ عدل و انصاف کے معروف تصورات کے مطابق احکام و قوانین جاری کریں۔ اور جس حد تک ملک کے رائج قوانین عدل و انصاف پر مبنی ہوں گے ان کے نفاذ میں کوئی شرعی قانون مانع بھی نہیں رہا ہوگا۔ ایک ایسے ملک میں جہاں کا معاشرہ اسلام سے نا آشنا تھا لیکن جس نے یوسف کو مملکت کا سربراہ تسلیم کر لیا تھا۔ ملک کی اجتماعی زندگی میں بہ تدریج ہی تبدیلی لائی جا سکتی تھی۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

''اور اس باب سے (یعنی ولایت کے کسی شخص خاص کے حق میں واجب ہونے کے تعلق سے) یوسف صدیق کا شاہ مصر کیلئے ملک کے خزانوں پر حکمراں ہونا ہے۔ جب کہ بادشاہ اور اس کی قوم کافر تھی جیسا کہ آیت وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَا جَآءَكُمْ بِهٖ (اس سے پہلے یوسف تمہارے پاس روشن دلائل کے ساتھ آئے تھے مگر جو ہدایت لے کر وہ آئے تھے اس کے بارے میں تم شک ہی میں مبتلا رہے۔۔ سورۂ مؤمن ۳۴) نیز آیت ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ۔۔ الخ (کیا متفرق رب بہتر ہیں یا ایک اللہ۔۔۔ الخ سورۂ یوسف ۳۹) سے واضح ہے۔ اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کفر کے ساتھ مال وصول کرنے اور اس کو بادشاہ کے خواص، اس کے اہل و عیال، فوج اور رعیت پر خرچ کرنے کے سلسلہ میں ان کے مخصوص طور طریقے لازماً رہے ہوں گے۔

اور یہ طور طریقے انبیاء کے طریقہ اور ان کے عدل وانصاف سے مطابقت نہیں رکھتے ہوں گے۔لیکن یوسف کیلئے یہ ممکن نہ تھا کہ جو چاہتا یعنی جو بات بھی اس کی نگاہ میں اللہ کے دین سے تعلق رکھنے والی ہوتی کر گذرتا، کیوں کہ قوم نے اس کی دعوت قبول نہیں کی تھی۔تاہم یوسف نے جس قدر ممکن عدل واحسان کو روبہ عمل لایا۔اور اقتدار پا کر اپنے گھر کے مؤمن افراد کو وہ اعزاز بخشا جو اقتدار کے بغیر ممکن نہیں تھا۔اور یہ سب باتیں ارشاد الٰہی فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (اللہ سے ڈرو جتنا تمہارے بس میں ہو۔سورۂ تغابن۔۱۶) میں شامل ہیں۔لہٰذا جب دو واجب باتوں میں ٹکراؤ ہو جائے اور دونوں کو جمع کرنا ممکن نہ ہو، تو جو بات زیادہ مؤکد ہو اس کو مقدم رکھا جائے۔ایسی صورت میں دوسری بات واجب نہیں رہے گی۔اور نہ اس کا ترک کرنے والا زیادہ مؤکد بات کو زیر عمل لانے کی وجہ سے فی الحقیقت کسی واجب کو ترک کرنے والا قرار پائے گا۔'' (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۰ ص ۵۶)

(۳) یوسف مصر کے حاکم تھے اس لئے اگر وہ چاہتے تو اپنے والد سے ربط پیدا کر سکتے تھے۔لیکن چونکہ وہ نبی بھی تھے اس لئے وحی الٰہی کے مطابق ہی کوئی قدم اٹھا سکتے تھے۔اور خدائی منصوبہ یہ تھا کہ ابھی بات پردۂ راز میں رہے۔اور یوسف اپنی اصل شخصیت کو اس وقت اپنے بھائیوں پر ظاہر کریں جب ان کے دل گرفتارِ بلا ہونے کے نتیجہ میں پسیج گئے ہوں گے، تاکہ وہ اصلاح قبول کر لیں۔اور یہ واقعہ ہے کہ جو لوگ نصیحت سننے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے وہ اسی صورت میں سبق حاصل کرتے ہیں جب کہ انہیں ٹھوکریں لگتی ہیں۔اور جو لوگ غفلت کی نیند سوتے رہتے ہیں انہیں حالات کے تھپیڑے ہی جگا دیتے ہیں۔اگر یوسف کے بھائی ہوش مند ہوتے تو وہ اپنے والد کے زیر تربیت رہ کر بہترین انسان بن سکتے تھے۔مگر جب انہوں نے باپ کی رہنمائی کے باوجود غلط طرز عمل اختیار کیا تو اب ان کی اصلاح کے لئے ضروری تھا کہ وہ ٹھوکریں کھائیں تاکہ ان میں اپنے غلط طرز عمل کا احساس پیدا ہو۔خدا کی یہی مصلحت تھی جس نے ان کے معاملہ کو ایک خاص رُخ دیا اور یوسف نے ان کے ساتھ معاملہ کرنے میں ایک ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ ان کی نظر کے زاویئے بدل گئے۔اور جب ان کی نظر کے زاویئے بدلے تو جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا ان کی دنیا ہی بدل گئی۔

(۴) یوسف نے اپنے بھائیوں کے سلسلہ میں جو تدبیر یا حکمت عملی اختیار کی اس کا تعلق اصلاح احوال سے ہے۔انہوں نے جو کچھ کیا اس میں نہ جھوٹ کی آمیزش تھی اور نہ ظلم وزیادتی کی بات تھی۔بلکہ نیت کی پاکیزگی کے ساتھ اور ایک اہم مقصد کی خاطر بعض ایسی تدبیریں اختیار کی گئیں جو صورۃً کچھ دیر کے لئے ایک غلط تاثر پیدا کرنے والی تھیں، لیکن نتائج کے اعتبار سے وہ درست تھیں۔اس لئے یوسف کی اس حکمت عملی کو ''شرعی حیلوں'' کا عنوان دینا اور ناجائز کاموں کو جائز کرنے کے لئے ''کتاب الحیل'' کھول کر بیٹھ جانا اپنے کو مغالطہ میں ڈالنے کے سوا کچھ نہیں۔شریعت کی راہ راست بازی کی راہ ہے۔جس میں اس بات کی تو گنجائش ہے کہ ضرورۃً حکمت عملی اختیار کی جائے، لیکن حیلے بہانے کر کے حرام کو حلال کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

۱۲۳؎ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جب یوسف نے اللہ کے بخشے ہوئے علم کی بنا پر حسن تدبیر اور حکمت عملی کا طریقہ اختیار کیا اور حکومت وسیاست کے معاملہ میں عدل وانصاف کو بنیاد بنایا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات بلند کر دیئے۔

۱۲۴؎ یہ ایک برمحل تنبیہ ہے ہر صاحب علم کے لئے کہ اس کو اپنے علم کا غرہ نہ ہو۔بلکہ یہ اچھی طرح سمجھ لے کہ اس کے اوپر ایک بالاتر ہستی ایسی ہے جس کے علم کی کوئی انتہا نہیں۔کوئی شخص کتنا ہی بڑا علامہ کیوں نہ ہو اس کا علم اللہ کے علم کے آگے ہیچ ہے۔

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾

۷۷ انہوں نے کہا اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے۔ ۱۲۵؎ یوسف نے بات اپنے دل میں رکھ لی اور اس کو ان پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ (یعنی اس نے دل ہی دل میں) کہا تم بہت بُرے لوگ ہو ۱۲۶؎۔ اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اللہ اس کی حقیقت کو خوب جانتا ہے۔

قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾

۷۸ کہنے لگے اے عزیز! ۱۲۷؎ اس کے والد بہت بوڑھے ہو گئے ہیں۔ ۱۲۸؎ لہٰذا اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے۔ ہم دیکھتے ہیں آپ بڑے نیک ہیں۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾

۷۹ اس نے کہا اللہ کی پناہ اس بات سے کہ ہم اس کو چھوڑ کر جس کے پاس ہماری چیز نکلی ہے کسی اور کو پکڑ لیں ۱۲۹؎۔ اگر ہم ایسا کریں تو ظالم ہوں گے۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾

۸۰ جب وہ اس سے مایوس ہو گئے تو الگ ہو کر مشورہ کرنے لگے۔ ان میں جو بڑا تھا اس نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے والد تم سے اللہ کے نام پر عہد لے چکے ہیں اور اس سے پہلے یوسف کے معاملہ میں بھی تم سے تقصیر ہو چکی ہے۔ میں تو اب اس ملک سے جانے والا نہیں جب تک کہ میرے والد مجھے حکم نہ دیں یا اللہ میرے حق میں کوئی فیصلہ نہ فرمائے۔ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔ ۱۳۰؎

اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾

۸۱ تم لوگ اپنے والد کے پاس جاؤ اور کہو! ابا جان آپ کے بیٹے نے چوری کی ۱۳۱؎۔ اور ہم نے وہی بات بیان کی جو ہمارے علم میں آئی۔ غیب کے نگہبان تو ہم تھے نہیں۔

وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

۸۲ آپ اس بستی کے لوگوں سے پوچھ لیجئے جہاں ہم ٹھہرے تھے اور اس قافلہ والوں سے دریافت کر لیجئے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں ۱۳۲؎۔ ہم (اپنے بیان میں) بالکل سچے ہیں۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾

۸۳ اس نے کہا نہیں بلکہ تمہارے نفس نے ایک بات گڑھ لی ہے ۱۳۳؎۔ تو مجھے اب بخوبی صبر سے کام لینا ہوگا۔ عجب نہیں کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے ۱۳۴؎۔ بلاشبہہ وہ سب کچھ جاننے والا اور صاحب حکمت ہے۔ ۱۳۵؎

۱۲۵؎ جب بن یمین کی بوری سے پیالہ برآمد ہوا اور برادران یوسف سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔ تو فوراً بن یمین کے سگے بھائی یوسف پر یہ الزام لگا دیا کہ اس سے پہلے وہ بھی یہ حرکت کر چکا ہے۔ اور اب اگر بن یمین نے یہ حرکت کی ہے تو تعجب کی بات نہیں یہ یوسف ہی کا بھائی ہے۔ ان کو معلوم نہیں تھا کہ وہ جس شخص کے سامنے اتنا بڑا جھوٹ بول رہے ہیں وہ خود یوسف ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ یوسف کے بارے میں اب تک کیسے غلط جذبات اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے تھے۔

۱۲۶؎ جو شخص ایک بے گناہ پر جھوٹا الزام لگاتا ہے وہ اپنے آپ کو گراتا ہے۔ اور اپنے بُرے ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔

۱۲۷؎ انہوں نے یوسف کو عزیز کہہ کر خطاب کیا عزیز کے معنیٰ صاحب اقتدار کے ہیں۔ یہ خطاب حاکم مصر کے لئے مخصوص تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جس وقت برادران یوسف کا یہ واقع پیش آیا ہے یوسف مصر پر حکومت کر رہے تھے۔ البتہ ابھی انہیں مَلِک (بادشاہ) کی پوزیشن حاصل نہیں ہوئی تھی۔

۱۲۸؎ یعنی یعقوب علیہ السلام بوڑھے ہو گئے ہیں اور ان کو بن یمین کے روک لینے سے بڑا صدمہ ہوگا۔

۱۲۹؎ یوسف نے بہت محتاط الفاظ استعمال کئے۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ''جس نے چوری کی ہے'' بلکہ یہ کہا ''جس کے پاس ہماری چیز نکل آئی۔'' یعنی واضح طور سے انہوں نے چوری کا الزام نہیں لگایا، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ فی الواقع بن یمین نے چوری نہیں کی ہے۔

۱۳۰؎ برادران یوسف میں سب سے بڑا روبین تھا (پیدائش ۹:۴۶) اس کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب بھائی اللہ پر ایمان رکھتے تھے، البتہ ان میں اخلاقی اور عملی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔

۱۳۱؎ انہوں نے اپنے والد سے یہ نہیں کہا کہ ہمارے بھائی نے چوری کی۔ بلکہ کہا آپ کے بیٹے نے چوری کی، ان کا یہ انداز طنزیہ تھا۔

۱۳۲؎ یعنی اس واقعہ کا چرچا عام ہوا لہٰذا آپ مصر والوں سے یا اس قافلہ والوں سے جو ہمارے ساتھ کنعان آیا تحقیق کر سکتے ہیں۔

۱۳۳؎ یعنی یہ بات کہ بن یمین نے چوری کی تم باور کر سکتے ہو۔ مگر میں باور نہیں کر سکتا کیوں کہ میں اس کے کردار سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اور واقعہ بھی یہی تھا کہ بن یمین نے نہ چوری کی تھی اور نہ یوسف نے ان پر چوری کا الزام لگایا تھا۔ بلکہ صورت حال کچھ ایسی پیش آئی تھی کہ ان لوگوں نے گمان کر لیا کہ اس نے چوری کی ہے۔

۱۳۴؎ یعقوب علیہ السلام اس خواب کی بنا پر جو یوسف نے دیکھا تھا متوقع تھے، کہ یوسف زندہ ہوں گے اور ایک دن ان کا خواب پورا ہو کر رہے گا۔

۱۳۵؎ یعقوب علیہ السلام نے اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی ان دو صفات کا جو ذکر کیا۔ تو اس سے مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ یوسف اور بن یمین کے واقعات محض واقعات نہیں ہیں بلکہ ان کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا عظیم منصوبہ کارفرما ہے اور وہ علم و حکمت پر مبنی ہے۔

وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾

۸۴ اور اس نے ان کی طرف سے رُخ پھیر لیا اور پکار اٹھا ہائے یوسف! غم سے اس کی آنکھیں سفید پڑ گئیں اور وہ گھٹا گھٹا رہنے لگا۔ ۱۳۶؎

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾

۸۵ وہ کہنے لگے واللہ آپ ہمیشہ یوسف ہی کی یاد میں رہیں گے یہاں تک کہ اپنے کو گھلا دیں گے یا ہلاک ہو جائیں گے۔

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

۸۶ اس نے کہا میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد (شکوہ) اللہ ہی سے کرتا ہوں ۱۳۷؎ ۔ اور میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ ۱۳۸؎

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾

۸۷ بیٹو! جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اس کی رحمت سے تو کافر ہی مایوس ہوتے ہیں۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾

۸۸ جب وہ اس کے پاس پہنچے تو کہا اے عزیز! ۱۳۹؎ ہم اور ہمارے گھر کے لوگ بڑی تکلیف میں مبتلا ہیں۔ اور ہم تھوڑی سی پونجی لے کر آئے ہیں تو آپ ہمیں غلہ پورا دیجئے اور صدقہ بھی عنایت فرمائیے۔ اللہ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾

۸۹ اس نے کہا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا جب کہ تم جہالت میں مبتلا تھے؟

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾

۹۰ انہوں نے کہا کیا واقعی آپ یوسف ہیں؟ اس نے کہا ہاں میں یوسف ہوں ۱۴۰؎ ۔ اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر سے کام لیتا ہے تو اللہ ایسے نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ۱۴۱؎

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾

۹۱ انہوں نے کہا بخدا اللہ نے آپ کو ہم پر برتری دی اور واقعی ہم قصوروار تھے۔ ۱۴۲؎

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾

۹۲ اس نے کہا آج کے دن تم سے کوئی مواخذہ نہیں ۱۴۳؎ ۔ اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰي وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع

۹۳ میرا یہ کُرتا لے جاؤ اور میرے والد کے چہرے پر ڈال دو۔ ان کی بینائی لوٹ آئے گی ۱۴۴؎۔ اور اپنے تمام گھر والوں کو لے کر میرے پاس آ جاؤ۔ ۱۴۵؎

۱۳۶؎ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو یوسف کی جدائی کا کتنا زبردست صدمہ پہنچا تھا۔ان کے سینہ میں بھی انسان ہی کا دل تھا پھر کیوں نہ درد سے بھر آتا۔مگر جس صبر کے ساتھ وہ اس کو برداشت کر رہے تھے اس میں ان لوگوں کے لئے نمونہ ہے۔جنہیں دنیا میں اس قسم کے صدمے پہنچتے ہیں۔

۱۳۷؎ اللہ کا شکوہ کرنے اور اللہ سے شکوہ کرنے میں بہت بڑا فرق ہے۔اللہ کا شکوہ آدمی مخلوق کے سامنے کرتا ہے۔یہ اللہ سے بدگمانی بھی ہے اور بے صبری کا اظہار بھی۔لیکن اللہ سے شکوہ تو اسی کے حضور کیا جاتا ہے جو ایک غم زدہ دل کی فریاد بھی ہے اور اس سے امید کا اظہار بھی۔

۱۳۸؎ یعقوب علیہ السلام نبی تھے۔ان کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی کے ذریعہ بتا دیا تھا کہ یوسف مرنہیں گئے، بلکہ زندہ ہیں اور ایک دن ان سے ملاقات ہونا ہے۔اس چیز نے ان کے اندر یوسف سے ملنے کا ایک ولولہ پیدا کر دیا تھا۔پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ اگر کسی کا چہیتا بیٹا مر جاتا ہے تو اسے دکھ ضرور ہوتا ہے لیکن یہ دکھ وقتی ہوتا ہے۔بخلاف اس کے اگر اس کا چہیتا بیٹا گم ہوتا ہے تو اس کو جو دکھ ہوتا ہے وہ نہ صرف ناقابل برداشت ہوتا ہے، بلکہ اس خیال سے کہ معلوم نہیں بیٹا کس حال میں کہاں ہوگا، وہ سخت پریشانی اور بے چینی محسوس کرنے لگتا ہے۔یعقوب علیہ السلام کے دکھ کی نوعیت یہی تھی۔

۱۳۹؎ برادران یوسف کنعان سے مصر آئے اور یوسف کے پاس پہنچے اور انہیں عزیز کہہ کر خطاب کیا۔

۱۴۰؎ یوسف نے جب اپنے بھائیوں کی اس پریشانی کو دیکھا کہ وہ قحط سالی کی تکلیف اور افلاس کی وجہ سے صدقہ مانگنے پر مجبور ہو گئے ہیں، تو ان سے رہا نہ گیا۔اور موقع کو مناسب پا کر اپنا اصل نام انہیں بتا دیا، جواب تک صیغۂ راز میں تھا۔نام کے صیغۂ راز میں ہونے کی وجہ یہ تھی کہ یوسف کو حاکم مصر ہونے کی وجہ سے عزیز کا لقب دیا گیا تھا۔نیز جیسا کہ بائبل کا بیان ہے بادشاہ نے ان کا دوسرا نام رکھا تھا (پیدائش ۴۱: ۴۵) اس لئے حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد وہ مصر میں نئے نام سے مشہور ہوئے ہوں گے۔

یوسف کو جب کنویں میں پھینک دیا گیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بات کی پیشگی اطلاع دی تھی، کہ ''ایک وقت آئے گا جب تم ان کو اس معاملہ کی یاد دلاؤ گے جو آج وہ تمہارے ساتھ کر رہے ہیں، جب کہ انہیں اس کا احساس بھی نہیں ہوگا''۔(آیت ۱۵) اللہ تعالیٰ کی یہ بات پوری ہو کر رہی۔چنانچہ یوسف نے اس موقع پر اپنے بھائیوں کو وہ واقعہ یاد دلایا جب کہ وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ وہ جس سے ہم کلام ہیں وہ یوسف ہے۔

۱۴۱؎ یعنی تقویٰ اور نیکی کی روش اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اپنے فضل سے نوازتا ہے۔

۱۴۲؎ حالات نے انہیں خاصا جھنجھوڑ دیا تھا۔لیکن جب انہوں نے اللہ کی قدرت کا یہ کرشمہ دیکھا، کہ جس شخص کو انہوں نے کنویں میں پھینک دیا تھا، وہ آج پورے مصر پر حکومت کر رہا ہے، تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔اور اسی وقت اپنے قصور کا اعتراف کر لیا۔اس سے ظاہر ہوا کہ حالات کی سختی انسان کی تربیت کا سامان کرتی ہے اور قدرت کے کرشمے اس کو چونکانے کا باعث بنتے ہیں۔

۱۴۳؎ اخلاق و شرافت کی کتنی اونچی مثال ہے جو یوسف نے قائم کی۔کہ ایسے وقت جب کہ وہ اپنے بھائیوں سے انتقام لینے پر پوری طرح قادر تھے انہوں نے کوئی انتقام نہیں لیا بلکہ ان کو معاف کر دیا اور انکے ساتھ احسان کا سلوک کیا۔کردار کی یہی عظمت ہے جو دلوں کو موہ لیتی ہے اور دشمنوں کو بھی دوست بنا دیتی ہے۔

اس سورہ کے نزول کے وقت مکہ میں قریش کے دو گروہوں کے درمیان جو نزاع پیدا ہو گئی تھی، اس کے پیش نظر یوسف اور اس کے بھائیوں کی یہ سرگذشت ایک بروقت رہنمائی تھی۔اور فتح مکہ کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عام معافی کا اعلان کرتے ہوئے یہی الفاظ دہرائے تھے کہ لَاتَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (آج کے دن تم پر کوئی سرزنش نہیں)

۱۴۴؎ اس کی تشریح آگے نوٹ ۱۴۸؎ میں آ رہی ہے۔

۱۴۵؎ یوسف نے اپنے والد یعقوب کے پورے خاندان کو مصر بلایا۔ایک نبی کی کسی مقام کو منتقلی اللہ کی ہدایت کے مطابق ہی ہوتی ہے اس لئے یوسف نے وحی الٰہی سے اشارہ پا کر ہی یہ بات کہی ہوگی۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾

۹۴ پھر جب قافلہ روانہ ہوا تو ان کے والد کہنے لگے۔ اگر تم لوگ یہ نہ کہو کہ میں سٹھیا گیا ہوں تو میں کہوں گا مجھے یوسف کی مہک آ رہی ہے۔ ۱۴۶

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾

۹۵ لوگوں نے کہا واللہ آپ اپنے پُرانے خیال خام ہی میں مبتلا ہیں۔ ۱۴۷

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

۹۶ پھر جب خوشخبری دینے والا آیا تو اس نے کُرتا اس کے چہرہ پر ڈال دیا اور اس کی بینائی لوٹ آئی ۱۴۸۔ اس نے کہا میں نے تم سے کہا نہ تھا، کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ ۱۴۹

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾

۹۷ وہ کہنے لگے ابا جان ہمارے گناہوں کی مغفرت کے لئے دعا کیجئے۔ واقعی ہم خطا کار تھے۔ ۱۵۰

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾

۹۸ اس نے کہا میں اپنے رب سے تمہارے لئے معافی کی دعا کروں گا ۱۵۱۔ بلاشبہ وہ بڑا معاف کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰي يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾

۹۹ پھر جب یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا مصر میں داخل ہو جاؤ انشاء اللہ امن وچین کے ساتھ۔ ۱۵۲

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَي الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَاۗءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ ۚ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰ اور اپنے والدین کو تخت پر اونچا بٹھایا اور وہ اس کے آگے جھک گئے ۱۵۳۔ اس نے کہا ابا جان! یہ ہے تعبیر میرے اس خواب کی جو میں نے پہلے دیکھا تھا۔ میرے رب نے اسے سچ کر دکھایا۔ یہ اسی کا احسان ہے کہ مجھے قید خانہ سے نکالا اور آپ لوگوں کو صحرا سے (میرے پاس) لایا بعد اس کے کہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فتنہ اندازی کر چکا تھا۔ بلاشبہہ میرا رب جو کچھ چاہتا ہے اس کے لئے لطیف تدبیریں کرتا ہے۔ وہ صاحب علم بھی ہے اور صاحب حکمت بھی۔ ۱۵۴

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱ اے میرے رب! تو نے مجھے حکومت عطا فرمائی اور باتوں کی تعبیر کرنا سکھایا۔ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا وآخرت میں میرا کارساز ہے۔ مجھے اس حالت میں وفات دے کہ مسلم ہوں اور مجھے نیک لوگوں کے زمرے میں شامل کر۔ ۱۵۵

۱۴۶؎ یوسف مصر میں ایک مدت سے موجود تھے لیکن یعقوب علیہ السلام کو ان کی مہک نہیں آئی۔ مگر اب جب کہ قافلہ مصر سے چلا ہے تو انہوں نے یوسف کی مہک محسوس کی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے الہام تھا جو یعقوب علیہ السلام کے قلب پر ہوا۔

قرینہ دلیل ہے کہ یہاں یوسف کی مہک سے مراد یوسف کا سراغ لگنے کی خوشخبری ہے۔ یہ خوشخبری یعقوب علیہ السلام کو الہام کے ذریعہ اسی وقت مل گئی جب قافلہ پیراہن یوسف لے کر مصر سے کنعان کے لے روانہ ہوا۔ لیکن یہ خوشخبری خفی تھی۔ جلی طور پر خوشخبری انہیں اس وقت ملی جب قافلہ ان کی خدمت میں پہنچ گیا۔

۱۴۷؎ یہ بات ان کے گھر کے لوگوں نے کہی ہوگی اور اس بناء پر کہی ہوگی کہ وہ دیکھ رہے تھے کہ یعقوب علیہ السلام یوسف کی یاد میں کھوئے کھوئے سے رہتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے سمجھا کہ اب جو شمیم یوسف کے محسوس کرنے کا ذکر کر رہے ہیں وہ محض خیالی بات ہے۔ معلوم ہوتا ہے وہ نہ پیغمبر کی عظمت کو صحیح طور سے سمجھ سکے تھے اور نہ انہیں اس بات کا اندازہ تھا کہ شمیم یوسف کا تعلق الہام سے ہے۔

۱۴۸؎ یہ غیر معمولی واقعہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ تھا اور اس قسم کے کرشمے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں ظہور میں لاتا رہا ہے۔ اور ان کے ذریعہ ان کی تائید اور مدد کرتا رہا ہے۔ محض اس بنا پر کہ عام طور سے ہمارے تجربہ میں اس قسم کی باتیں نہیں آتیں ان کا انکار کرنا صحیح نہیں۔ جب کہ اس کی خبر ہمیں ایک ایسے ذریعہ سے مل رہی ہے جس کی صداقت شبہ سے بالاتر ہے۔

قرآن کے اوراق میں تاریخ کے کتنے ہی غیر معمولی واقعات ثبت ہوئے ہیں، تاکہ انسان اپنے محدود علم اور تجربہ ہی کو سب کچھ سمجھ نہ بیٹھے، بلکہ اس کی نظر اس حقیقت پر ہو کہ اس کائنات کا ایک خدا ہے جو اسے چلا رہا ہے۔ اور وہ اپنی قدرت کے کرشمے جس طرح چاہتا ہے دکھاتا ہے۔

۱۴۹؎ یعقوب علیہ السلام کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ انہیں یوسف کے بارے میں بذریعہ وحی یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ بقید حیات ہیں، اس لئے اپنے لخت جگر سے ملنے کا شوق ان کے دل میں کروٹیں لے رہا تھا۔ مگر چونکہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ یعقوب کے صبر کا بھی امتحان لینا چاہتا تھا، اس لئے یوسف کا پورا حال ان پر منکشف نہیں کیا تھا۔

۱۵۰؎ اس طرح بیٹوں نے اپنے خطا کار ہونے کا اعتراف اپنے باپ کے سامنے بھی کر لیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی کی دعا کریں۔ یہ ہے انسان کا حال کہ وہ بنتا بھی ہے اور بگڑتا بھی ہے اور بگڑ کر سنورتا بھی ہے۔ اس لئے اس کی اصلاح کی کوششیں جاری رہنی چاہئیں معلوم نہیں کہ کس وقت اس کا ضمیر جاگ اٹھے۔

۱۵۱؎ دعا کو مؤخر کرنے کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کے طرز عمل کو دیکھنا چاہتے ہوں گے کہ واقعی انہوں نے اصلاح قبول کی ہے یا نہیں؟ اور دوسرا معاملہ چونکہ یوسف سے متعلق تھا اس لئے وہ اس گھڑی کو قبولیتِ دعا کے لئے زیادہ موزوں خیال کر رہے ہوں گے جب کہ یوسف کے پاس سب جمع ہو جائیں گے۔

۱۵۲؎ یوسف اپنے والدین کے استقبال کیلئے مصر کی سرحد پر تشریف لے گئے۔ اور وہاں اپنے خاندان کا خیر مقدم کرتے ہوئے اپنے والدین کو احترام کے ساتھ خاص طور سے اپنے پاس بٹھایا اور ان سے کہا کہ اب مصر میں داخل ہو جایئے۔ اللہ نے چاہا تو آپ کو ہر طرح کا امن و چین نصیب ہوگا۔

۱۵۳؎ یعنی جب مصر کی دارالسلطنت میں سب پہنچ گئے اور دربار یوسفی آراستہ ہوا، تو یوسف نے رسمی باتوں کا خیال نہ کرتے ہوئے اپنے والدین کے احترام کو غایت درجہ ملحوظ رکھا اور ان کو تخت پر بٹھایا۔

یوسف کے ہاتھ میں اس وقت مکمل اقتدار آ گیا تھا اور وہ تخت کے مالک بن گئے تھے۔ اسی لئے وہ اس قابل ہو سکے کہ اپنے والدین کو تخت پر جگہ دیں۔ اس موقع پر دربار یوسفی میں ایک نئی شان پیدا ہو گئی تھی۔ پرانی یادیں تازہ ہو رہی تھیں اور یوسف کے درگذر اور ان کے بلند کردار نے ان کے بھائیوں کو بے حد

متاثر کر دیا تھا۔انہوں نے جب دیکھا کہ یہ شخص بادشاہ ہوکر بھی اس درجہ متواضع ہے، کہ اپنے والدین کو تخت شاہی پر بٹھاتا ہے، تو بے اختیار اس کے آگے جھک گئے۔ یہ اندرونی جذبہ تھا جس نے انہیں جھکا دیا۔ یوسف نے انہیں جھکنے کا حکم نہیں دیا تھا اور نہ یہ کوئی تعظیمی سجدہ تھا۔ بلکہ ایک رقت آمیز ماحول کے زیر اثر وہ بے اختیار جھک پڑے تھے۔اور یوسف نے اس کو محض اس لئے برداشت کیا کہ انہوں نے جو خواب اپنی نوعمری میں دیکھا تھا اس کی یہ تعبیر تھی۔اس طرح اللہ کا منصوبہ نافذ ہوکر رہا اور وہ سب یوسف کے زیر اقتدار آ گئے۔

اب بحث کے چند گوشے رہ جاتے ہیں:

(۱) متن میں **خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا** کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔اس کا ایک ترجمہ تو ''وہ اس کے آگے سجدہ میں گر گئے'' ہوتا ہے اور دوسرا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے ''وہ اس کے آگے جھک گئے'' موقع کلام کے لحاظ سے یہ دوسرا ترجمہ ہی صحیح ہے۔سجدہ کا لفظ جیسا کہ ہم نوٹ ۷ ؎ میں واضح کر آئے ہیں محض جھکنے کے معنیٰ میں بھی استعمال میں ہوتا ہے۔اور یوسف کے بھائیوں کا جھکنا اس خواب کی تعبیر تھی جس میں یوسف نے ستاروں کو اپنے آگے جھکتے ہوئے دیکھا تھا اس لئے یہاں اصطلاحی سجدہ کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔کیا ستاروں کا سر ہوتا ہے جو اپنی پیشانی زمین پر رکھیں؟ ستاروں کے ''سجدہ'' کرنے کا مفہوم یہی ہو سکتا ہے کہ وہ بلندی سے اتر کر یوسف کی طرف جھک گئے تھے اس لئے یوسف کے آگے جب ان کے بھائی جھک گئے تو خواب پورا ہو گیا۔**خَرُّوا** کے لفظی معنیٰ ہیں ''وہ گر گئے'' یہ لفظ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ بردران یوسف بے اختیار جُھک گئے تھے۔یعنی فضا ایسی بن گئی تھی کہ اندرونی جذبات سے مغلوب ہوکر وہ یوسف کے آگے جھک گئے بالفاظ دیگر خارجی طور سے کسی نے اس کو جھکنے کیلئے مجبور نہیں کیا تھا۔ یہ ان کا اپنا بے اختیاری کے عالم میں عمل تھا اور قرآن کے اس کو بیان کرنے سے مقصود دراصل یہ واضح کرنا ہے کہ برادران یوسف کو بالآخر یوسف کے آگے جھکنا پڑا اور ان کے زیر اقتدار اُنہیں آنا پڑا۔

(۲) اس کے سجدۂ عبادت ہونے کا تو کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا، کیوں کہ کوئی نبی اپنے لئے سجدۂ عبادت کو گوارا کر ہی نہیں سکتا۔رہا اس کا سجدۂ تعظیمی ہونا تو یہ بات بھی صحیح نہیں۔کیوں کہ نہ یوسف نے اسکا حکم دیا تھا اور نہ انہوں نے اپنے لئے ایسے کوئی آداب رائج کئے تھے کہ لوگ ان کے حضور سجدۂ تعظیمی بجالائیں۔قرآن میں اس کیلئے کوئی دلیل نہیں ہے۔آیت میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ صرف اتنی بات ہے کہ برادران یوسف بے اختیار یوسف کے آگے جھک گئے تھے۔

آیت کا صحیح مفہوم واضح ہو جانے کے بعد ان لوگوں کے خیال کی آپ سے آپ تردید ہو جاتی ہے جنہوں نے سجدۂ تعظیمی کو جائز قرار دینے کے لئے اس آیت کا سہارا لیا ہے۔اور پھر پیروں، بزرگوں، درگاہوں اور بادشاہوں کیلئے سجدہ تعظیمی کو روا رکھنے کے قائل ہو گئے۔مغل بادشاہوں نے بھی اپنے لئے سجدۂ تعظیمی کی رسم جاری کی تھی، لیکن شیخ احمد سرہندی نے اس خلافِ شرع رسم کے خلاف زبردست جہاد کیا۔

(۳) یوسف نے اپنے والدین کو پہلے ہی تخت پر بٹھایا اس لئے وہ ان کے آگے جھکنے میں شامل نہیں تھے۔رہا یہ سوال کہ ان کے آگے جھکے بغیر خواب کی تعبیر کس طرح پوری ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ یوسف نے اپنا جو خواب بیان کیا تھا (آیت ۵ ؎) وہ دو حصوں پر مشتمل تھا۔ایک حصہ یہ تھا کہ ''میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے۔'' اور دوسرا حصہ تھا کہ ''میں نے دیکھا کہ وہ میرے آگے جھک گئے ہیں۔'' اس دوسرے حصے میں انہوں نے بحیثیت مجموعی ان کے جھکنے کی بات کہی تھی فرداً فرداً ہر ایک کے جھکنے کا ذکر نہیں کیا تھا۔اس لئے بحیثیت مجموعی یہاں بھی جھکنے کی بات صحیح ثابت ہوئی، اگر چہ کہ ان کے والدین جھکنے میں شامل نہیں تھے۔خواب کا اصل مطلب یہ تھا کہ سب یوسف کے زیر اقتدار ہوں گے۔اور یہ بات اس طرح پوری ہوئی کہ ان کے والدین اور بھائی سب اپنے وطن کو چھوڑ کر یوسف کے پاس آ گئے اور ان کے زیر اقتدار رہنا سب نے قبول کر لیا۔

(۴) یوسف جس وقت مصر کے حاکم مقرر ہوئے تھے اس وقت وہ تخت کے مالک نہیں بن گئے تھے بلکہ رسمی طور پر بادشاہ ہی تخت کا مالک رہا۔مگر بعد میں یوسف کی پوزیشن مضبوط ہوتی چلی گئی اور ان کے بھائی جس وقت غلہ لینے کیلئے آئے تو وہ عزیز مصر (مصر کی بااقتدار شخصیت) تھے۔اور اب جب کہ انہوں نے

اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا ہے وہ تخت سلطنت کے مالک بن گئے تھے۔قرآن کے بیان سے یہی تصویر سامنے آتی ہے اس لئے بائبل کے الجھے ہوئے بیان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

۱۵۴؎ اس موقع پر یوسف کا یہ بیان ان کی سیرت کا بہترین نمونہ ہے۔باوجود اس کے کہ وہ مصر کے فرمانروا تھے،ان کے اس بیان میں فخر وغرور کا ادنیٰ شائبہ بھی پایا نہیں جاتا۔بلکہ اس کے ایک ایک لفظ سے اعتراف نعمت،شکر اور تواضع کا اظہار ہو رہا ہے۔

۱۵۵؎ اس موقع پر یوسف نے دعا بھی فرمائی۔اس دعا میں انہوں نے پہلے اللہ کے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے اس کی حمد وستائش کی۔پھر اپنے حسن خاتمہ اور آخرت میں صالحین کے زمرہ میں شمولیت کے لئے اللہ سے درخواست کی۔یہ بات دعا کے آداب میں سے ہے کہ پہلے اللہ کی حمد وثناء کی جائے پھر اپنی درخواست اس کے حضور پیش کی جائے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲ یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جس کی ہم تم پر وحی کر رہے ہیں۔ ورنہ تم اس وقت ان کے پاس موجود نہ تھے جب انہوں نے آپس میں ایک بات طے کر کے سازش کی تھی۔ ۱۵۶؎

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳ اور اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ خواہ تم کتنا ہی چاہو وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ ۱۵۷؎

وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴ حالانکہ تم اس پر ان سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کر رہے ہو ۱۵۸؎۔ یہ تو ایک یاددہانی ہے تمام دنیا والوں کے لئے۔ ۱۵۹؎

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵ اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گذرتے ہیں مگر کوئی توجہ نہیں کرتے۔ ۱۶۰؎

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶ اور اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ کو مانتے بھی ہیں تو اس طرح کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرا لیتے ہیں۔ ۱۶۱؎

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷ کیا یہ لوگ اس بات سے مطمئن ہیں کہ اللہ کے عذاب کی آفت اُن پر چھا نہ جائے گی یا بے خبری میں قیامت کی گھڑی ان پر اچانک آ نہ جائے گی؟

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸ (اے پیغمبر!) کہو یہ ہے میری راہ ۱۶۲؎ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ بصیرت کے ساتھ ۱۶۳؎، میں بھی اور وہ لوگ بھی جو میری پیروی کر رہے ہیں ۱۶۴؎۔ اور اللہ کے لئے پاکی ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹ اور ہم نے تم سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا جو بستیوں کے رہنے والے تھے اور ہم نے ان پر وحی کی تھی ۱۶۵؎۔ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیسا کچھ ہوا جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں ۱۶۶؎۔ اور آخرت کا گھر ۱۶۷؎ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ پھر کیا تم عقل سے کام نہ لوگے؟

۱۵۶؎ یہ واقعہ نزول قرآن سے تقریباً دو ہزار چار سو سال پہلے کا ہے۔ نبی ﷺ کو اس کا کوئی علم نہ تھا اور نہ آپ کی قوم اس سے واقف تھی۔ رہے اہل کتاب تو بائبل کی کتاب پیدائش میں یہ قصہ ضرور بیان ہوا ہے لیکن اول تو نبی ﷺ کو اس سے استفادہ کر کے بیان کرنے کا موقع حاصل نہ تھا۔ کیونکہ آپ اُمّی تھے اور اہل کتاب کے علماء سے بھی آپ کا کوئی ربط ضبط نہیں تھا۔ مزید یہ کہ یہ سرگزشت جس صحت کے ساتھ قرآن نے سنائی اس صحت کے ساتھ بائبل میں بیان نہیں ہوئی ہے۔ قرآن کا بیان معقول بھی ہے اور یقین بھی پیدا کرتا ہے جبکہ بائبل کے بیان کی یہ خصوصیت نہیں ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ اس واقعہ کی تمام کڑیاں بائبل میں بیان نہیں ہوئی ہیں جب کہ قرآن نے اس کو ایک مربوط واقعہ کے طور پر پیش کر دیا ہے۔ اور ان اہم پہلوؤں کو روشنی میں لایا ہے جو پردۂ غیب میں چلے گئے تھے۔ مثال کے طور پر یوسف کے خواب کی وہ تعبیر جو یعقوب علیہ السلام نے بتلائی تھی۔ برادران یوسف کا ایک سازش کے مطابق یوسف کو لے جانا اور اپنے باپ کو جھوٹا یقین دلانا کہ وہ اس کی حفاظت کریں گے۔ یوسف کے کنویں میں پھینک دیئے جانے پر ان کے اطمینان قلب کے لئے ان کی طرف وحی کا بھیجا جانا، یوسف کو ''تاویل احادیث'' کا علم عطا ہونا، یوسف کے پیرہن کا پیچھے سے پھٹ جانا اور قرینہ کی گواہی کا وہ واقعہ جس سے ان کے بے گناہ ہونے کا ثبوت فراہم ہوا، عزیز مصر کا یہ اعتراف کہ اس کی بیگم ہی خطا کار ہے، بیگم عزیز کا ایک سازش کے تحت خواتین مصر کی دعوت کرنا، خواتین مصر کا ایک بھری مجلس میں بول اٹھنا کہ یوسف انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے، بیگم عزیز کی طرف سے یوسف کو جیل بھیج دینے کی دھمکی، یوسف کی ثابت قدمی کیلئے دعا، قید خانہ میں یوسف کی تبلیغ، بادشاہ کے خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے لئے ساقی کا بادشاہ کی اجازت سے قید خانہ جانا اور یوسف سے خواب کی تعبیر پوچھنا، بادشاہ کے طلب کرنے پر یوسف کا رہا ہونے سے انکار کرنا اور خواتین مصر کی سازش کی تحقیق کا مطالبہ، بادشاہ کا تحقیق کرنا اور یوسف کا بے گناہ ثابت ہونا بن یمین کے روک لئے جانے پر یعقوب کو صدمہ، یعقوب کا اپنے بیٹوں کو یہ ہدایت دینا کہ وہ یوسف کا کھوج لگائیں، یوسف کا اپنے بھائیوں کو معاف کرنا، قافلہ کے پیراہن یوسف کو لے کر مصر سے روانہ ہونے پر یعقوب کا یوسف کی مہک محسوس کرنا، پیراہن یوسف کے یعقوب کے چہرے پر ڈال دینے سے ان کی بینائی کا لوٹ آنا، برادران یوسف کا معافی طلب کرنا، یوسف کا اپنے والدین کو تخت پر بٹھانا اور ان کا پورا پورا احترام کرنا، برادران یوسف کا یوسف کے آگے جھک جانا، یوسف کا اللہ کے حضور حمد وثناء کرنا اور اس کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے حسن خاتمہ کے لئے دعا کرنا۔ یہ اور اس قسم کی دوسری اہم باتوں کے ذکر سے بائبل کے صفحات خالی ہیں۔ پھر ایک اُمّی نے یہ سرگذشت کس طرح بے کم وکاست بیان کر دی اور تاریخ کے گم شدہ اوراق کو کس طرح منظر عام پر لایا؟ اس کا صحیح جواب اس کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتا کہ وحی الٰہی نے یہ سرگذشت بیان کی ہے۔ نبی ﷺ نے اپنی طرف سے بائبل سے نقل کر کے بیان نہیں کی ہے۔ اور آج بھی جو شخص تحقیق کی غرض سے قرآن اور بائبل کا تقابلی مطالعہ کرے گا وہ اس حقیقت کو محسوس کئے بغیر نہیں رہے گا۔

۱۵۷؎ یعنی اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ دلیل سے بات سمجھنا نہیں چاہتے بلکہ اپنے غلط خیالات پر جمے رہنا چاہتے ہیں ورنہ قرآن پر ایمان لانے کیلئے یہ ایک دلیل ہی کافی ہے جو اس کے وحی الٰہی ہونے کے ثبوت میں اوپر بیان ہوئی۔

۱۵۸؎ نبی ﷺ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کی خدمت بے غرض ہو کر اور کسی قسم کا معاوضہ طلب کئے بغیر انجام دے رہے تھے، اس لئے یہ شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ آپ اپنے مفاد کی خاطر یہ کام انجام دے رہے ہیں۔

۱۵۹؎ یعنی انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ توحید کا جو سبق لوگوں کو سکھایا گیا تھا اور جس کو لوگ بھول چکے ہیں۔ قرآن اسی سبق کی یاددہانی ہے اور یہ یاددہانی کسی ایک قوم کے لئے نہیں، بلکہ تمام اقوام اور تمام انسانوں کے لئے ہے۔

۱۶۰؎ یہ اصل وجہ ہے اس حق کو نہ پانے کی جس کی طرف قرآن دعوت دے رہا ہے۔ توحید کی نشانیاں دنیا میں قدم قدم پر موجود ہیں مگر لوگوں نے اس کائنات کی ایسی غلط توجیہ کر لی ہے اور اپنی زندگی کے بارے میں ایسے غلط نظریات قائم کر لئے ہیں اور ان پر ایسے جم گئے ہیں کہ ان نشانیوں کو نظر اٹھا کر دیکھنے کے لئے بھی آمادہ نہیں ہیں۔

۱۶۱؎ یعنی خدا کو ماننا وہی معتبر ہے جو توحید کے ساتھ ہو، کیوں کہ شرک خدا کی صفات کی نفی ہے۔ اور بندہ کا خدا سے صحیح تعلق اسی وقت قائم ہوجاتا ہے جب کہ وہ خدا کو اسی طرح مانتا ہو جیسی کی اس کی صفات ہیں۔

آج بھی دنیا کی اکثریت خدا پر اعتقاد رکھتی ہے۔ مگر نہ ہدایت کے سلسلہ میں اس کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت محسوس کرتی ہے اور نہ اس کی اطاعت و بندگی سے انہیں کوئی سروکار ہے۔ نیز وہ ایک خدا پر ہرگز مطمئن نہیں ہیں، بلکہ اپنے اطمینان کے لئے بہت سے خدا تراش لئے ہیں۔ ایسی صورت میں ان کا خدا پر اعتقاد بالکل بے معنیٰ ہوکر رہ جاتا ہے۔ مگر لوگوں کی اکثریت فریب نفس میں مبتلا ہے۔

۱۶۲؎ یعنی یہ ہے میرا طریقہ اور میرا دین۔

۱۶۳؎ یعنی میری دعوت نہ بے دلیل ہے اور نہ غیر معقول اور نہ ہی کسی ایسے مذہب کو قبول کرنے کی دعوت ہے، جس کے ساتھ علم اور فطرت کی روشنی نہیں ہے۔ بلکہ میری دعوت سراسر معقول، مدلل، فطرت کی آواز اور علم کی پوری روشنی لئے ہوئے ہے۔

۱۶۴؎ واضح ہوا کہ مکہ میں نبی ﷺ کے ساتھ آپ کے پیرو بھی دعوتی کام میں سرگرم تھے۔ گویا امت مسلمہ کو اول روز ہی سے دعوتی کام کے لئے تیار کیا گیا۔ یہ نہیں ہوا کہ پہلے اپنے آپ کو مکمل کرلیا، اور پھر دعوتی کام شروع کیا جیسا کہ آج کل ایک گروہ لوگوں کا اس طرح کا ذہن بنا رہا ہے۔

۱۶۵؎ معلوم ہوا کہ جتنے رسول بھی دنیا میں آئے وہ سب انسانوں میں سے تھے اور مرد تھے۔ نیز وہ شہروں کے رہنے والے تھے۔ کیوں کہ رسالت کا منصب نہایت پروقار منصب ہے جس کے لئے مرد ہی موزوں ہوسکتے ہیں اور رسالت کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ وقت کے فرعونوں کو خطاب کرنے کے مواقع کا حاصل ہونا بھی ضروری ہے۔ اور یہ باتیں شہروں ہی میں میسر آسکتی ہیں اس لئے پیغمبر بڑے بڑے شہروں ہی میں مبعوث کئے گئے۔

۱۶۶؎ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ انعام نوٹ ۲۰۔

۱۶۷؎ آخرت کے گھر سے مراد جنت ہے۔

(ان گذری ہوئی قوموں کو بھی ڈھیل دی گئی تھی) یہاں تک کہ جب رسول (اپنی قوموں سے) مایوس ہو گئے اور لوگوں نے خیال کیا کہ ان کو جھوٹی خبریں سنائی گئی تھیں تو ہماری مدد ان (رسولوں) کے پاس آ پہنچی۔ اور وہ لوگ بچا لئے گئے جن کو ہم نے بچانا چاہا۔ اور مجرموں سے تو ہمارا عذاب ٹالا نہیں جا سکتا۔ یقیناً ان کی سرگذشتوں میں دانشمندوں کے لئے بڑی عبرت ہے۔ یہ گھڑا ہوا کلام نہیں ہے بلکہ تصدیق ہے اس (کتاب) کی جو پہلے آ چکی ہے اور تفصیل ہے ہر چیز کی۔ اور ہدایت اور رحمت ہے ایمان لانے والوں کے لئے۔ (القرآن)

حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۱۰

۱۱۰ (ان گذری ہوئی قوموں کو بھی ڈھیل دی گئی تھی) یہاں تک کہ جب رسول (اپنی قوموں سے) مایوس ہو گئے اور لوگوں نے خیال کیا کہ ان کو جھوٹی خبریں سنائی گئی تھیں تو ہماری مدد ان (رسولوں) کے پاس آ پہنچی ۱۶۸؎ ۔اور وہ لوگ بچا لئے گئے جن کو ہم نے بچانا چاہا۔ اور مجرموں سے تو ہمارا عذاب ٹالا نہیں جا سکتا۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۱۱۱ ع

۱۱۱ یقیناً ان کی سرگذشتوں میں دانشمندوں کے لئے بڑی عبرت ہے ۱۶۹؎ ۔ یہ گھڑا ہوا کلام نہیں ہے بلکہ تصدیق ہے اس (کتاب) کی جو پہلے آ چکی ہے ۱۷۰؎ اور تفصیل ہے ہر چیز کی ۱۷۱؎ ۔ اور ہدایت اور رحمت ہے ایمان لانے والوں کے لئے ۔ ۱۷۲؎

۱۶۸؎ یعنی ہماری مدد رسولوں کے پاس ٹھیک اس وقت پہنچ گئی، جبکہ وہ اپنی قوموں کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے۔ اور لوگوں کو جو ڈھیل مل گئی تھی اس کی بنا پر انہوں نے خیال کیا کہ عذاب کی جو وعیدیں سنائی گئی تھیں وہ جھوٹی تھیں۔ کہ ایمان نہ لانے کی بنا پر کوئی عذاب آنے والا نہیں۔

یہاں اس بات کو بیان کرنے سے مقصود نبی ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو تسلی دینا ہے کہ کافروں کو جو ڈھیل دی جا رہی ہے وہ اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے۔ یہ ڈھیل اس وقت تک ہے، جب تک کہ رسول ان کے ایمان لانے کی طرف سے بالکل مایوس نہیں ہو جاتا۔ اگر بات مایوسی کی حد تک پہنچ گئی تو وہ عذاب کی لپیٹ میں آجائیں گے اور اہل ایمان کے حق میں اللہ کی مدد نازل ہوگی۔ اور انہیں ان کافروں سے بھی نجات مل جائے گی اور عذاب سے بھی محفوظ رہیں گے۔

۱۶۹؎ قرآن میں پیغمبروں اور ان کی قوموں کی جو سرگذشتیں بیان کی گئی ہیں ان کا اصل مقصد یہی ہے کہ لوگ ان سے عبرت حاصل کریں۔ اور محض ماضی کے قصے سمجھ کر نہ پڑھیں۔

۱۷۰؎ اشارہ ہے تورات کی طرف کہ اس میں جو رہنمائی دی گئی تھی قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے۔ تورات کی موجودہ کتاب پیدائش میں یوسف کا جو قصہ بیان ہوا ہے وہ اگرچہ قرآن کے بیان سے مختلف ہے، لیکن جہاں تک اصل واقعہ کا تعلق ہے دونوں میں مطابقت پائی جاتی ہے۔ اور یہ مطابقت اس بات کی دلیل ہے کہ نبی ﷺ نے یہ قصہ اپنی طرف سے گھڑ کر پیش نہیں کیا ہے۔ بلکہ جس ہستی نے تورات نازل کی تھی اسی نے قرآن نازل کیا ہے۔ اور تورات کے اوراق سے جو حقیقتیں مٹ گئی تھیں قرآن میں ان کو ثبت کر دیا گیا۔

۱۷۱؎ تفصیل کے اصل معنیٰ کھول کر بیان کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن میں تمام ضروری باتیں کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ تاکہ اللہ کا راستہ کونسا ہے، وہ کن باتوں کو پسند اور کن باتوں کو ناپسند کرتا ہے اور اس کی تعلیمات کیا ہیں، ان کو معلوم کرنے میں کسی کو کوئی دقت پیش نہ آئے۔

۱۷۲؎ یعنی قرآن ہدایت کی جو راہ کھولتا ہے اس پر چل کر اہل ایمان اللہ کی رحمت کے مستحق بن سکتے ہیں۔

تفسیر
سورۃ الرعد

۱۳۔ سورہ الرَّعد

نام آیت ۱۳ میں رعد یعنی بادل کی گرج کا ذکر ہوا ہے کہ وہ اللہ کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کرتی ہے۔اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام الرعد قرار دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول مکی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ سورۂ یوسف کے بعد نازل ہوئی ہوگی۔سورۂ یوسف کے اخیر میں یہ جو فرمایا تھا **قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِی ۔۔۔۔** ''(اے پیغمبر!) کہو یہ ہے میری راہ۔میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں بصیرت کے ساتھ، میں بھی اور وہ لوگ بھی جو میری پیروی کر رہے ہیں۔'' تو یہ سورہ دراصل اسی کی توضیح ہے۔

مرکزی مضمون یہ کتاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آسمان سے نازل ہوئی ہے۔اور اس میں جو دعوت پیش کی گئی ہے وہ بالکل حق ہے۔ کائنات میں پھیلی ہوئی نشانیوں پر اگر غور کرو تو وہی پکار تمہیں سنائی دے گی جو پیغمبر کی اور اس کتاب کی پکار ہے۔

نظم کلام آیت ۱ تمہیدی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اس کتاب کا خدا کی طرف سے نازل ہونا ایک امر حق ہے۔

آیت ۲ تا ۴ میں ان نشانیوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے جن سے آخرت کا یقین پیدا ہوتا ہے۔

آیت ۵ تا ۷ میں منکرین کے شبہات پر انہیں فہمائش کی گئی ہے۔

آیت ۸ تا ۱۶ میں توحید کا مضمون ہے۔

آیت ۱۷ میں حق اور باطل کے الگ الگ نتائج پر واقعات کی شہادت پیش کی گئی ہے۔

آیت ۱۸ تا ۲۵ میں قرآن کی دعوت کو قبول کرنے والوں کے اوصاف اور ان کا اخروی انجام بیان کیا گیا ہے۔اسی طرح اس کی دعوت کو رد کرنے والوں کے بُرے طرز عمل اور ان کے بُرے انجام کو بھی پیش کیا گیا ہے۔

آیت ۲۶ تا ۲۹ میں منکرین کو تنبیہ اور اہل ایمان کو خوشخبری سنائی گئی ہے۔

آیت ۳۰ سے آخر سورہ تک رسالت کے منکرین کو متنبہ کیا گیا ہے۔ساتھ ہی متقیوں کے حسن انجام کو پیش کیا گیا ہے۔تا کہ منکرین کو خدا خوفی اختیار کرنے کی ترغیب ہو۔

سُوْرَةُ الرَّعْدِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ۭ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ①

اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ②

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۭ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ③

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَاۗءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰي بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ④

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑤

۱۳۔ سُورۃُ الرَّعد

آیات ۴۳

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ الف۔لام۔میم۔را۔ ۱۔ یہ آیتیں ہیں ۲۔ الکتاب کی ۳۔ اور جو چیز تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوئی ہے وہ بالکل حق ہے، مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ ۴۔

۲ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو جیسا کہ تم دیکھتے ہو بغیر ستونوں کے بلند کیا ۵۔ پھر وہ عرش پر بلند ہوا ۶۔ اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا ۷۔ ہر ایک، ایک مقررہ وقت تک کے لئے چل رہا ہے ۸۔ وہی تمام کاموں کا انتظام فرما رہا ہے۔ وہ نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔ ۹۔

۳ اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا ۱۰۔ اور اس میں پہاڑ ۱۱۔ اور دریا بنائے ۱۲۔ اور ہر طرح کی پھلوں کی دو دو قسمیں پیدا کیں ۱۳۔ وہ رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور کرتے ہیں۔

۴ اور (دیکھو) زمین میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے خطے ہیں ۱۴۔ انگور کے باغ ہیں کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں اکہرے بھی اور جڑ سے ملے ہوئے بھی ۱۵۔ سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں مگر مزے میں ہم ایک کو دوسرے سے بہتر بناتے ہیں۔ یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ ۱۶۔

۵ اگر تم عجیب بات سننا چاہتے ہو تو ان لوگوں کا یہ قول عجیب ہے کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو ہمیں از سر نو پیدا کیا جائے گا! ۱۷۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب سے کفر کیا۔ اور یہی ہیں جن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے ۱۸۔ اور یہی لوگ جہنم والے ہیں۔ ہمیشہ اس میں رہنے والے!

۱ے حروف مقطعات کی تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ۱ے اور سورۂ یونس نوٹ ۱ے

اس سورہ میں الف کا اشارہ اللہ (توحید) کی طرف، لام کا اشارہ لا الہ الا اللہ (شرک کی نفی) کی طرف اور میم کا اشارہ متعال (نہایت بلند مرتبہ) کی طرف ہے۔ اللہ کی یہ صفت آیت ۹ میں بیان ہوئی ہے۔ رہی را تو اس کا اشارہ رب (اللہ کی ربوبیت) کی طرف بھی ہے اور رعد (گرج) کی طرف بھی، جس کا ذکر آیت ۱۳ میں خصوصیت کے ساتھ ہوا ہے اور جس میں اس حقیقت پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے، کہ بادلوں کی ظاہری گرج کے پیچھے تسبیح الٰہی کی گھن گرج بھی ہے۔ ۔۔۔۔۔ اور اللہ کے کلام کا مطلب تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

۲ے عربی میں آیت کے لفظی معنیٰ علامت اور نشانی کے ہیں۔ قرآن کی سورتیں جن چھوٹے چھوٹے فقروں پر مشتمل ہیں ان کو آیتیں کہتے ہیں۔ آیت کبھی ایک پورا جملہ کبھی جملہ کا جزو، اور کبھی چند جملوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ آیتوں کی تعیین اور ان کی ترتیب وحی الٰہی کے ذریعہ ہوئی ہے۔ چونکہ ہر آیت اس بات کی نشانی ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اس لئے اس کو آیت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۳ے الکتاب سے مراد کتاب الٰہی یعنی قرآن ہے۔

۴ے مطلب یہ ہے کہ سورہ رعد کی یہ آیتیں، نیز وہ تمام آیتیں جو پیغمبر پر نازل ہوئی ہیں، ان کا اللہ کی طرف سے نازل ہونا ایک واقعہ اور حقیقت ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اکثر لوگ اس حقیقت کو اس کے امر واقعہ ہونے کے باوجود تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن حقیقت اپنی جگہ حقیقت ہے کسی کے تسلیم نہ کرنے سے اس میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

۵ے فضائے بسیط میں اجرام سماوی دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ سائنسی اکتشافات کی رو سے بعض تارے تو لاکھوں نوری سال کے فاصلہ پر واقع ہیں۔ اس سے آسمان کی بلندی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس بلندی پر جس کو کسی پیمانہ سے ناپا نہیں جا سکتا، آسمان کا ایک چھت یا قبہ کی طرح بغیر ستونوں کے قائم ہونا اس کے خالق کے کمال قدرت کی کھلی نشانی ہے۔

واضح رہے کہ آسمانوں کا ستونوں کے بغیر قائم ہونا عام مشاہدہ میں آنے والی بات ہے۔ اس سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ اجرام سماوی جذب و کشش کے قانون کی وجہ سے اپنی جگہ قائم ہیں۔ یہ جذب و کشش بھی اللہ ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

رہا یہ سوال کہ کیا آسمان کا کوئی مادی وجود ہے؟ تو ہم نے اس پر سورۂ انشقاق میں نوٹ ۱ے میں بحث کی ہے اس موقع پر اسے پیش نظر رکھا جائے۔

۶ے اس کی تشریح سورۂ اعراف نوٹ ۸۳ے میں گذر چکی۔

۷ے یعنی سورج اور چاند کا اپنا کوئی بل بوتا نہیں وہ اللہ کے قانون میں جکڑے ہوئے ہیں اور جو کام ان کے سپرد کیا گیا ہے اس کو وہ بجالاتے ہیں۔

۸ے چلتے رہنے (یَجْرِیْ) سے مراد حرکت میں رہنا ہے قطع نظر اس سے کہ ان کی حرکات کس نوعیت کی ہیں۔ یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ چاند ہی نہیں سورج بھی متحرک ہے اور موجودہ فلکیاتی سائنس (Astronomy) بھی سورج کو متحرک مانتی ہے:

"The Sun rotates on its axis in a period about 25 1/3 days"
(The Marvels & Mysteries of Science p. 15)

یعنی سورج اپنے محور پر ۲۵ ۱/۳ دن میں گردش پوری کر لیتا ہے' اور سائنس کہتی ہے کہ سورج اپنے محور پر ہی نہیں گھوم رہا ہے، بلکہ اپنے سیاروں کو لے کر دو سو میل فی سیکنڈ کی رفتار سے اپنے مرکز کشش کے گرد چکر لگا رہا ہے:

"Our Own star , the Sun , is no exception to the general rule, for with its attendant planets it is moving through space at a speed of 200 miles a second ,travelling around the centre of gravity of its cosmic system.At this speed it requires 250,000,000 years to complete a revolution in its gigantic orbit" (Do p. 82)

قرآن یہ بھی صراحت کرتا ہے کہ سورج اور چاند کی یہ گردش بلا تعیین مدت نہیں ہے بلکہ ایک مقررہ مدت تک کے لئے ہے۔ اور یہ مدت قیامت کا دن ہے جب اس عالم کی بساط لپیٹ دی جائے گی اور ایک نیا عالم وجود میں لایا جائے گا۔

۹۔ یعنی آسمان میں پھیلی ہوئی ان نشانیوں پر غور کرنے سے وہ مقصدیت اور وہ حکیمانہ اسکیم بہ آسانی سمجھ میں آجاتی ہے، جو اس کائنات کی تخلیق کے پیچھے کارفرما ہے۔ اور جس کو قرآن پوری وضاحت کے ساتھ پیش کر رہا ہے۔ اور یہ باتیں نہ صرف یہ کہ آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہیں، بلکہ اس بات کا یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ ایک دن ہمیں اپنے رب سے ملنا ہے اور اپنے کئے کا پھل پانا ہے۔

۱۰۔ یعنی زمین کو خدا نے اس طرح پھیلا دیا کہ وہ اربوں انسانوں کے بسنے کے قابل ہو گئی۔ اس کی عظیم قدرت کی اس نشانی کو دیکھتے ہوئے انسان کو چاہئے تھا کہ اس کی عظمت کے آگے جھک جاتا اور اس کے خدائے واحد ہونے کا یقین کرتا مگر انسانوں کی بڑی تعداد اس سے منہ پھیرے ہوئے ہے اور ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو زمین کے خالق کے بجائے زمین کو پوجنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بھومی پوجا کو اپنا مذہبی شعار بنا رکھا ہے۔ ان کی سمجھ میں اتنی بات بھی نہیں آتی کہ جس چیز کو آدمی روندتا ہے اس کی پوجا کا کیا مطلب؟ یہ نادان پہلے تو اپنے ''خدا'' کو خود تراش لیتے ہیں اور اس کے بعد اس کو اپنے ہی پاؤں سے روند ڈالتے ہیں۔ ان کا ''خدا'' بھی عجیب ہے اور ان کی عبادت بھی عجیب۔

۱۱۔ پہاڑ کیا ہیں خدا کی قدرت کی نشانیاں، جو جا بجا کھڑی کر دی گئی ہیں تا کہ انسان ان کو دیکھ کر اپنے خالق کی عظمت کا قائل ہو جائے۔ مگر انسان میں یہ تڑپ کہاں کہ وہ حقیقت کو تلاش کرے۔ اگر ماضی میں اس نے پہاڑوں کی بلندی دیکھ کر ان کو دیوتا بنا لیا تھا، تو حال میں وہ پہاڑوں کی قسمیں، ان کے پرت، ان کے عناصر ترکیبی اور ان میں پائے جانے والے متجر ڈھانچے (Fossil) وغیرہ معلوم کرنے میں ایسا منہمک ہے کہ صانع کی طرف اپنا ذہن منتقل کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہے۔ نتیجہ یہ کہ ان سارے معلوماتی ذخیروں کے باوجود وہ مادہ پرستی میں بری طرح غرق ہے۔

۱۲۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر دریائے بہائے تا کہ ان کی روانی کو دیکھ کر انسان کی زبان پر ذکر الٰہی رواں ہو۔ مگر وہ دریاؤں کو ''پوتر'' مان کر پوجنے لگا اور ان کو نذرانے پیش کرنے لگا۔ یا پھر انسان نے ''ترقی'' کی تو یہ کہ ان پر بڑے بڑے بند باندھ دیئے تا کہ وہ ان کے پانی سے پورا پورا استفادہ کرے، اس سے آگے وہ کچھ سوچنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

۱۳۔ ''ثمرات'' کا لفظ پھلوں کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور پیداوار کے لئے بھی۔ اس لئے اس میں میوے، اناج اور سبزیاں سب شامل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خدا نے زمین میں نباتات اس طرح اگائیں کہ ان کے جوڑے بن گئے، نر اور مادہ تا کہ پیداوار کا سلسلہ چلتا رہے۔ نباتات میں نر اور مادہ کا پایا جانا ایک معروف بات ہے۔ مگر موجودہ علم النباتات (botany) نے اس کو جس تفصیل کے ساتھ پیش کر دیا ہے اس کے مطالعہ سے اس کا حیرت انگیز نظام سامنے آتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ بات کہ پودوں میں خلیے (cells) پائے جاتے ہیں جن میں کروموزمس (chromosomes) ہوتے ہیں جو موروثی خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں اور جنہیں خوردبین کی مدد سے دیکھا جا سکتا ہے۔ یا یہ کہ پھول میں جو زریشے (stamens) ہوتے ہیں ان میں نر و مادہ کی قسمیں پائی جاتی ہیں۔ پھول جب کھلتے ہیں تو ان کی مہک سے شہد کی مکھیاں اور پتنگے ان کی طرف کھنچ آتے ہیں اور زیرہ دانوں کو ایک پھول سے دوسرے پھول میں منتقل کرتے ہیں۔ اس طرح اس سے بارآوری (fertilization) ہوتی ہے اور پھول کا بیضہ دان پھل کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

کیا قدرت کا یہ حیرت انگیز نظام کسی قادر مطلق کے وجود پر دلالت نہیں کرتا؟

۱۴۔ یعنی زمین کے سب حصے یکساں نہیں ہیں، بلکہ اس میں مختلف خطے پائے جاتے ہیں۔ اور جو ایک دوسرے سے قریب اور متصل ہونے کے باوجود اپنی خصوصیات میں مختلف ہیں۔ کوئی سرخ ہے تو کوئی سیاہ، کوئی زرخیز ہے تو کوئی بنجر، کوئی ایک قسم کی پیداوار کے لئے موزوں ہے تو کوئی دوسری قسم کی پیداوار کے لئے، کوئی تیل اگلتی ہے تو کوئی سونا! غرض انسان کی پرورش کے لئے رزق کے کیسے کیسے ذخیرے ہیں جو زمین میں رکھ دیئے گئے ہیں! کیا پرورش (ربوبیت) کا

یہ سارا نظام خود بخود تشکیل پا گیا ہے یا اس کو وجود میں لانے والا کوئی رب (پروردگار) ہے؟

۱۵؎ کھجور کے درخت دو قسم کے ہیں، ایک وہ جن کی جڑ سے ایک ہی تنا نکلتا ہے اور دوسرے وہ جن کی جڑ سے دو یا زیادہ تنے نکلتے ہیں، جب کہ ایک ہی پانی سے انہیں سیراب کیا جاتا ہے۔ یہ بوقلمونی اور تنوع کیا اس خیال کی تردید کے لئے کافی نہیں ہے کہ یہ کائنات اتفاقی حادثہ کے طور پر وجود میں آئی ہے اور کسی چلانے والے کے بغیر چل رہی ہے؟ اس صورت میں یہ گونا گونی، یہ رنگا رنگی اور یہ الگ الگ نوعیتیں ہرگز نہیں ہو سکتی تھیں۔

۱۶؎ ایک ہی پانی سے درختوں کو سیراب کیا جاتا ہے مگر ان کے پھل ذائقہ میں مختلف ہوتے ہیں، کوئی میٹھا تو کوئی کھٹا اور کوئی پھیکا تو کوئی کڑوا۔ ہر چیز میں نوعیتوں کا یہ اختلاف دیکھ کر شاعر نے بجا طور پر کہا ہے۔ ع

اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

یہ اختلاف انسان کو دعوت فکر دیتا ہے۔ اگر انسان عقل سے کام لے تو وہ ان حقیقتوں کو پا سکتا ہے، جن کو قبول کرنے کی دعوت قرآن دے رہا ہے۔

۱۷؎ یعنی ان منکرین کو تعجب اس بات پر ہو رہا ہے کہ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا، جس کی خبر قرآن دے رہا ہے۔ لیکن درحقیقت تعجب کے قابل ان کا یہ قول ہے کہ ''مٹی میں مل جانے کے بعد کس طرح دوبارہ زندہ کیا جائے گا''۔ گویا ان کے نزدیک یہ سارا ہنگامۂ کائنات محض اس لئے ہے کہ انسان مر کر مٹی ہو جائے اور زندگی کا سلسلہ آنکھ بند ہوتے ہی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ نہ خدا کے حضور حاضری کا سوال، نہ عالم آخرت اور نہ جزا اور نہ سزا۔ یہ ہے ان کا تصور زندگی، جس کا مطلب ہے زندگی بے مقصد اور کائنات بے غایت۔ یہ فیصلہ عقل کا ہرگز نہیں ہے بلکہ اندھی خواہشات کا ہے اس لئے ہر عقلمند انسان، منکرین کے تصور زندگی پر تعجب کرے گا نہ کہ قرآن کے پیش کردہ تصورِ زندگی پر۔

۱۸؎ آخرت کے ان منکرین نے دنیا میں جہالت، حق کے خلاف تعصب اور باطل پرستوں کی اندھی تقلید کے طوق اپنی گردنوں میں ڈال رکھے تھے، اس لئے قیامت کے دن یہ طوق آگ کے طوق کی شکل میں ان کی گردنوں کو جکڑ لیں گے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۶

۶ اور یہ لوگ بھلائی سے پہلے برائی کیلئے تمہارے پاس جلدی مچا رہے ہیں ۱۹۔ حالانکہ ان سے پہلے کتنی عبرت ناک مثالیں گذر چکی ہیں۔ بلاشبہہ تمہارا رب لوگوں سے باوجود ان کی زیادتیوں کے درگذر کرتا رہتا ہے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ تمہارا رب سزا دینے میں بڑا سخت ہے۔ ۲۰۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝۷

۷ کافر کہتے ہے اس شخص پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری؟ ۲۱۔ (اے پیغمبر!) تم تو بس خبردار کرنے والے ہو اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما ہوا ہے۔ ۲۲۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝۸

۸ اللہ ہر عورت کے حمل کو جانتا ہے اور جو کچھ رحموں میں گھٹتا اور بڑھتا ہے اس کو بھی ۲۳۔ ہر چیز کیلئے اس کے ہاں ایک اندازہ مقرر ہے۔ ۲۴۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝۹

۹ وہ غیب اور حاضر سب کا جاننے والا ہے، سب سے بڑا، نہایت بلند مرتبہ۔ ۲۵۔

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝۱۰

۱۰ تم میں سے کوئی شخص چپکے سے بات کرے یا پکار کر کہے، رات (کی تاریکی) میں چھپا ہو یا دن (کی روشنی) میں چل پھر رہا ہو، اس کے لئے سب یکساں ہے۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝۱۱

۱۱ ایک کے بعد ایک آنے والے اس کے آگے اور پیچھے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں ۲۶۔ اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی روش کو نہیں بدلتی ۲۷۔ اور جب اللہ کسی قوم پر مصیبت لانا چاہے تو پھر وہ ٹل نہیں سکتی۔ اور کوئی نہیں جو اس کے مقابل ان کا مددگار ہو۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۚ ۝۱۲

۱۲ وہی ہے جو تمہیں بجلیاں دکھاتا ہے جو خوف بھی پیدا کرتی ہے اور امید بھی ۲۸۔ اور وہی بوجھل بادلوں کو اٹھاتا ہے۔ ۲۹۔

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝۱۳ ؕ

۱۳ اور بادلوں کی گرج اس کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کرتی ہے ۳۰۔ اور فرشتے بھی اس کی ہیبت سے لرزتے ہوئے ۳۱۔ وہ کڑکتی ہوئی بجلیوں کو بھیجتا ہے اور ان کی زد میں جن کو چاہتا ہے لاتا ہے ۳۲۔ مگر لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے رہتے ہیں۔ اور (حقیقت یہ ہے کہ) وہ زبردست قوت والا ہے۔ ۳۳۔

۱۹۔ یعنی پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا ہے کہ لوگ اس کی دعوت کو قبول کر کے خیر کی طرف لپکیں۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی بھلائی کے لئے پیغمبر کو بھیجا ہے، مگر ان منکرین کا حال یہ ہے کہ وہ خیر سمیٹنے کے بجائے شر کو دعوت دے رہے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ جس عذاب کی تم دھمکی دے رہے ہو وہ آ کیوں نہیں جاتا۔ اس طرح وہ خیر سے اپنے کو محروم رکھ کر عذاب کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ یہاں ان کی اسی غلط ذہنیت پر گرفت کی گئی ہے۔

۲۰۔ یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کو غلط روی اور ان کی زیادتیوں کے باوجود دنیا میں ان کو فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ درگذر سے کام لیتا رہتا ہے، تاکہ انہیں اصلاح کا موقع مل جائے اور وہ سنبھل جائیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ اپنی اصلاح نہ کریں تب بھی وہ ان کو سزا نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ جہاں درگذر کرنے والا ہے وہاں وہ سخت سزا دینے والا بھی ہے۔

۲۱۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ انعام نوٹ ۶۴۔ اور ۶۵۔

۲۲۔ یعنی جس طرح پچھلی قوموں کی طرف ان کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول آتے رہے، اسی طرح تم کو بھی اے پیغمبر ان لوگوں کی رہنمائی کے لئے بھیجا گیا ہے۔ لہٰذا تمہارا کام غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو چونکا دینا اور ان کو خدا کی راہ دکھا دینا ہے۔ ان کے مطالبات کو پورا کرنا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ لہٰذا محسوس معجزہ کا جو مطالبہ وہ کر رہے ہیں اس کو تم خاطر میں نہ لاؤ۔

واضح رہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت صرف عربوں کی طرف نہیں تھی، بلکہ جیسا کہ قرآن میں صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے تمام اقوام کی طرف ہے۔ اس لئے کہ آپ کے بعد کسی قوم کے لئے کسی نئے نبی یا رسول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲۳۔ یعنی اللہ ہی جانتا ہے کہ عورت کے پیٹ میں بچہ کس طرح کا اور کن خصوصیات کا پرورش پا رہا ہے۔ اور وہ نو ماہ سے پہلے بچہ جنے گی یا اس سے زیادہ مدت میں۔ اسی طرح جانور کے ماداؤں کے حمل کا تفصیلی علم بھی اللہ ہی کو ہے۔

۲۴۔ یعنی وضع حمل کی بات ہو یا کوئی اور اس نے دنیا کے تمام امور کے وقت کی تعیین کے ساتھ منصوبہ بندی کی ہے اور اس کا علم ہر ہر جزیئے کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس کی اس منصوبہ بندی میں یہ بات بھی لازماً شامل ہے کہ کس قوم پر کس وقت عذاب لایا جائے۔ لہٰذا اگر تم پر رسول کی دعوت کو رد کرنے کے باوجود عذاب نہیں آ رہا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ عذاب آئے گا ہی نہیں۔۔۔ عذاب۔۔۔۔ رسول کو جھٹلانے کی صورت میں۔۔۔۔ لازماً آئے گا، مگر وقت مقررہ پر جس کا علم اللہ ہی کو ہے۔

۲۵۔ اس آیت میں اللہ کی تین صفتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ پوشیدہ اور ظاہر اور محسوس اور غیر محسوس سب چیزوں کا جاننے والا ہے۔ دوسری یہ کہ وہ کبیر (سب سے بڑا) ہے یعنی اپنی قدرت اور دوسری صفات میں کامل اور بالاتر ہستی ہے۔ تیسری یہ کہ وہ متعال (نہایت بلند مرتبہ) ہے۔ لہٰذا اس کو مخلوق پر قیاس کرنا صحیح نہیں وہ اس سے بہت بلند و بالا ہے۔

ان صفات کے ذکر سے مقصود یہاں اللہ کی عظمت کا صحیح تصور دینا ہے۔ جس کے نتیجہ میں انسان کے اندر اس کی بندگی اور اس کے حضور جوابدہی کا احساس پیدا ہوتا ہے اور اس کی سزا کے تصور سے وہ کانپ اٹھتا ہے۔

۲۶۔ مراد وہ فرشتے ہیں جو ہر شخص کے ساتھ اس کی حفاظت میں لگے رہتے ہیں۔ ان کی ڈیوٹی اس طرح مقرر ہے کہ یکے بعد دیگرے ان کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ انسان کی زندگی تو ہر قسم کے خطرات سے گھری ہوئی ہے اور وہ ہر وقت ایک نہ ایک خطرہ کے زد میں رہتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو خطرات سے اور آفتوں سے محفوظ رکھنے کا یہ سامان کیا ہے کہ اس کے آگے اور پیچھے فرشتے لگا دیئے ہیں جو اس کا بچاؤ کرتے رہتے ہیں۔ اور صرف اس وقت اس کو کوئی نقصان پہنچ جاتا ہے جب کہ اللہ کی طرف سے مقدر ہوتا ہے۔

۲۷۔ یعنی اللہ نے جہاں ایک ایک فرد کی حفاظت کا سامان کر رکھا ہے وہاں قوموں کی عافیت کا سامان بھی کر رکھا ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو

امن و عافیت کی نعمت عطاء فرماتا ہے تو اسی صورت میں اس سے یہ نعمت چھین لی جاتی ہے جب کہ وہ خود اس نعمت کی نا قدری کرتے ہوئے سرکشی پر اتر آتی ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا یہ قاعدہ نہیں کہ ایک نعمت عطاء کرنے کے بعد بلا وجہ اس کو چھین لے۔ یہاں خاص طور سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہ منکرین اس وقت امن وچین کی زندگی گذار رہے ہیں، وہ تا دیر باقی رہنے والی نہیں ہے کیوں کہ انہوں نے اپنے کو اس کا نااہل ثابت کر دیا ہے۔ اب یہ نعمت ان سے لازماً چھین لی جائے گی۔ چنانچہ چند سال گزرنے نہیں پائے تھے کہ کافروں کیلئے سرزمین عرب میں سر چھپانا مشکل ہو گیا اور اللہ کا قاعدہ ان پر چسپاں ہو کر رہا۔

۲۸۔ بجلیوں سے اگر ایک طرف خوف پیدا ہوتا ہے کہ کسی پر گر نہ جائے، تو دوسری طرف بارش کی امید بندھتی ہے۔ گویا بجلی بیک وقت دو باتوں کی تذکیر کرتی ہے۔ ایک یہ کہ لوگ چوکنا ہو جائیں کہ اللہ کے عذاب کا کوڑا ان پر برس سکتا ہے۔ دوسری یہ کہ لوگ اللہ ہی سے رحمت کے امیدوار بنیں۔

۲۹۔ یعنی پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو اللہ ہی اٹھاتا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ اللہ ہی کا بنایا ہوا نظام ہے جس کے تحت پانی سے بھرے ہوئے بادل اٹھتے ہیں اور فضا میں پھیل کر دور دور تک مینہ برسانے کا کام کرتے ہیں۔

۳۰۔ جہاں تک سائنس کا تعلق ہے بادلوں کی گرج برقی بار (Electrical Charge) کے خارج ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ آبی ذرات کے باہمی عمل سے بادلوں کے اوپری خطے میں مثبت بار (Positive Charge) اور درمیانی خطے میں منفی بار (Negetive Charge) پیدا ہوتا ہے۔ جب برقی بار کی مقدار کافی بڑھ جاتی ہے تو بجلی خارج ہوتی ہے۔ اور بجلی کی رو (Current) زبردست حرارت کے ساتھ ہوا میں پھیلاؤ پیدا کرتی ہے اور برقی لہر صوتی لہر بن جاتی ہے جسے گرج کہا جاتا ہے۔ یہ ہوئی گرج کی مادی حقیقت جو معلوماتی نوعیت کی ہے۔ لیکن قرآن اس کی معنوی حقیقت کی طرف انسان کو متوجہ کرتا ہے جو اصل اہمیت رکھنے والی چیز ہے۔ وہ یہ ہے کہ بادلوں کی گرج اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ اس کائنات کا ایک خدا ہے جو اس کو پیدا کر کے بے تعلق نہیں ہو گیا ہے۔ بلکہ اس کا انتظام سنبھالے ہوئے ہے اور اپنی قدرت کے کرشمے دکھاتا رہتا ہے۔ اور وہ اس بات پر قادر ہے کہ سرکش بندوں پر اپنے عذاب کا کوڑا برسائے۔ غرضیکہ جن کے کانوں پر پردے نہیں پڑے ہیں وہ بادلوں کی گرج میں اللہ کی عظمت کا اعلان سنتے ہیں۔

۳۱۔ یعنی وہ ایسی عظیم ہستی ہے کہ فرشتے بھی اس کی ہیبت سے لرزنے لگتے ہیں، پھر انسان کو بادلوں کی گھن گرج سن کر کیا اثر قبول کرنا چاہئے؟

۳۲۔ کڑکتی ہوئی بجلی جس پر گرتی ہے اس کو ہلاک کر کے رکھ دیتی ہے۔ یہ انسان کا عام مشاہدہ ہے اور کہا نہیں جا سکتا کہ کون کب اس کی زد میں آئے۔

۳۳۔ یعنی ان کڑکتی ہوئی بجلیوں اور گرجتے ہوئے بادلوں سے اس بات کا اعلان و اظہار ہو رہا ہے کہ اس کائنات کا رب زبردست قوت کا مالک ہے۔ انسان کو چاہئے تھا کہ وہ اس اعلان کو سن کر کانپ اٹھتا، مگر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ خدا کے بارے میں بحث کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے یہ خدا کی نہیں بلکہ دیوتاؤں کی کارفرمائی ہے۔ تو کوئی کہتا ہے خدا میں یہ قدرت کہاں کہ وہ مردوں کو زندہ کرے۔ اور موجودہ دور کے ''دانشور'' تو ''بے خدا کائنات'' کا نظریہ پیش کرتے ہیں تا کہ انہیں خدا سے ہمیشہ کے لئے ''چھٹکارا'' مل جائے!

❑❑❑❑❑❑

اس کو پکارنا برحق ہے۔ جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ (ان کا پکارنا) ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے ہاتھ پانی کے آگے پھیلائے ہوئے ہو، تاکہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے، حالانکہ وہ کبھی اس تک پہنچنے والا نہیں۔ اور کافروں کی پکار تو بالکل بے سود ہے۔ اور آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب خوشی سے یا مجبوری سے اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں، اور ان کے سائے بھی صبح و شام۔ (القرآن)

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾

۱۴ اس کو پکارنا برحق ہے ۳۴؎۔ جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کا کوئی جواب نہیں دے سکتے ۳۵؎۔ (ان کا پکارنا) ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے ہاتھ پانی کے آگے پھیلائے ہوئے ہو، تاکہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے، حالانکہ وہ کبھی اس تک پہنچنے والا نہیں ۳۶؎۔ اور کافروں کی پکار تو بالکل بے سود ہے ۳۷؎۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾

۱۵ اور آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب خوشی سے یا مجبوری سے اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں، اور ان کے سائے بھی صبح و شام ۳۸؎۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

۱۶ ان سے پوچھو آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ کہو اللہ۔ ان سے پوچھو پھر کیا تم نے اس کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا کارساز ٹھہرا لیا ہے جو خود اپنے لئے بھی نہ کسی نفع کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ نقصان کا! ۳۹؎ کہو کیا اندھا اور دیکھنے والا دونوں برابر ہیں؟ ۴۰؎ یا تاریکیاں (اندھیرا) اور روشنی یکساں ہیں؟ ۴۱؎ یا ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے اسی طرح پیدا کیا ہے جس طرح اس نے پیدا کیا ہے اور جس کی وجہ سے پیدا کرنے کا معاملہ ان پر مشتبہ ہو گیا! ۴۲؎ کہو اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ یکتا ہے سب کو اپنے قابو میں رکھنے والا ہے۔ ۴۳؎

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ ﴿۱۷﴾

۱۷ اس نے آسمان سے پانی برسایا تو وادیاں اپنی سمائی کے مطابق بہہ نکلیں۔ پھر سیلاب، ابھرتے جھاگ کو سطح پر لایا۔ اور اسی طرح کا جھاگ ان چیزوں کے اندر سے بھی ابھرتا ہے جن کو لوگ زیور یا کوئی اور چیز بنانے کیلئے آگ میں تپاتے ہیں۔ اس طرح اللہ حق و باطل کی وضاحت فرماتا ہے۔ تو جو جھاگ ہے وہ رائیگاں جاتا ہے اور جو چیز لوگوں کیلئے نفع بخش ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔ اس طرح اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے۔ ۴۴؎

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾

۱۸ جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت قبول کر لی ان کیلئے انجام کار بھلائی ہے۔ اور جنہوں نے اس کی دعوت قبول نہیں کی، اگر انہیں زمین کی ساری دولت حاصل ہو جائے اور اسی کے برابر مزید تو وہ فدیہ میں دینا چاہیں گے ۴۵؎۔ ایسے لوگوں کو بُرے حساب سے سابقہ پیش آئے گا۔ ۴۶؎ اور ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا، بہت بُرا ٹھکانا۔

۳۴۔ پکارنے سے مراد حاجتیں پوری کرنے اور فریادرسی کے لئے پکارنا ہے۔ یہ اللہ ہی کی صفت ہے کہ وہ پکارنے والے کی پکار سنتا ہے اور اس کی حاجتیں پوری کرتا ہے اور اس کی فریاد کو پہنچتا ہے۔ اس لئے اس کو پکارنا بالکل صحیح اور مطابق حقیقت ہے۔ اور چونکہ اللہ کے سوا کسی کی بھی یہ صفت نہیں ہے اس لئے اللہ کو چھوڑ کر کسی کو پکارنا خواہ وہ بت ہو، جن ہو، فرشتہ ہو، ولی ہو، یا پیغمبر، سراسر غلط اور خلاف حقیقت ہے۔

۳۵۔ کتنے مسلمان بھی جہالت کی وجہ سے اپنی حاجتوں کے لئے درگاہوں اور مزاروں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو بزرگ قبروں میں مدفون ہیں وہ ان کی دعاؤں کو سنتے ہیں اور ان کی بگڑی بناتے ہیں۔ مگر یہ خیال اتنا ہی باطل ہے جتنا کہ مشرکین کا اپنے معبودوں کے بارے میں ہے ۔

آیت میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں، جو کسی کی دعا یا پکار کا کوئی جواب دے سکے۔

۳۶۔ یعنی جس طرح کوئی شخص ہاتھ پھیلا کر پانی سے یہ درخواست کرے کہ اس کے منہ تک پہنچ جائے، تو اس کی یہ درخواست نہ تو پانی سنے گا اور نہ ہی اس کی پیاس بجھانے کیلئے پہنچے گا۔ اسی طرح مشرکین اللہ کو چھوڑ کر جس جس کے آگے دعا کیلئے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور ان سے فریاد کرتے ہیں، وہ نہ ان کی دعا اور فریاد سنتے ہیں اور نہ ان کی حاجت پوری کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ ''پانی کے آگے ہاتھ پھیلانا تاکہ وہ منہ تک پہنچ جائے'' عربی کا ایک محاورہ ہے جس کے معنیٰ لاحاصل طلب کے ہیں اور آیت کا مفہوم بھی یہی ہے۔

۳۷۔ یعنی کافر اللہ کو چھوڑ کر جن کو پکارتے ہیں ان کو پکارنا بالکل بے سود ہے۔

۳۸۔ یعنی آسمان وزمین کی تمام مخلوق خواہ وہ فرشتے ہوں، جن ہوں، انسان ہوں یا کوئی اور سب اللہ کو کسی نہ کسی طرح سجدہ کرتے ہیں۔ کوئی تو اپنا سر خوشی سے اس کے آگے جھکا دیتا ہے اور کوئی ارادہ کے ساتھ نہ سہی، مگر قانون قدرت تو اسے اپنے خالق کے آگے جھکنے کے لئے مجبور کر ہی دیتا ہے۔ ایک کافر کا زندہ رہنے کے لئے سانس لینا یا غذا کھانا، چلنے کے لئے پاؤں کا حرکت میں لانا خدا کے قانون کی پابندی کرنا ہے اور اس کے قانون کی یہ پابندی اسکے آگے جھکنا ہی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ یہ جھکنا مجبوری کی نوعیت کا ہے، اسی لئے اس جھکنے پر آدمی مؤمن نہیں قرار پاتا۔

ہر چیز کے خدا کے آگے سجدہ کرنے کی واضح علامت اس کا سایہ ہے۔ کہ اللہ کے مقررہ قانون کے مطابق گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ خدا کا کوئی منکر اتنا بل بوتا بھی نہیں رکھتا کہ اپنا سایہ زمین پر گرنے نہ دے۔ وہ اختیاری زندگی میں اللہ کی اطاعت سے انکار کرتا ہے مگر غیر اختیاری زندگی میں تو اس کا وجود اسی کے آگے جھکا ہوا ہے۔ کاش کہ وہ اس پر غور کرتا! یہ آیت سجدہ ہے اس لئے اس کی تلاوت پر فوراً سجدہ کرنا چاہئے۔

۳۹۔ یہاں جس شرک کی تردید کی گئی ہے وہ ہے اللہ کے سوا کسی کو ''ولی'' بمعنیٰ کارساز (کام بنانے والا) ٹھہرانا۔ یعنی کسی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ گو وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہے، مگر نفع یا نقصان پہنچانا اس کے اختیار میں ہے اور غیبی طریقہ پر وہ ہماری مدد کر سکتا ہے۔ یہ تصور سراسر باطل اور یہ عقیدہ سراسر مشرکانہ ہے کیونکہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جو درحقیقت نفع یا نقصان پہنچانے والا ہو۔ یہ عقیدہ جس کے بارے میں بھی رکھا جائے شرک ہی ہے، خواہ وہ بت ہو یا درخت، روح ہو یا فرشتہ اور نبی ہو یا ولی، اور یہ بھی ضروری نہیں کہ اس کو خدا یا رب کہہ کر پکارا جائے۔ اس کو اس معنیٰ میں ولی (کارساز) قرار دینا ہی اس کو خدا بنا لینا ہے۔ لہٰذا جو شخص کسی کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو صرف خدا کے ساتھ کیا جانا چاہئے وہ شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔ قرآن ایسے لوگوں سے پوچھتا ہے کہ جب کائنات کا رب اللہ ہی ہے تو یہ کارساز (ولی) کس طرح بنے؟

۴۰۔ اندھے سے مراد عقل کا اندھا ہے اور دیکھنے والے سے مراد بصیرت کی آنکھ سے دیکھنے والا ہے۔

۴۱۔ اندھیرے سے مراد جہالت کی تاریکیاں ہیں اور روشنی سے مراد علم حق کی روشنی ہے۔

۴۲۔ یعنی جب ایک خدا کے سوا کسی کا کچھ پیدا کرنا ثابت نہیں ہے تو پھر ایک سے زائد خدا کیسے ہوئے؟ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے مخلوق ہے۔ پھر مخلوق کو

خالق کا درجہ دینا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ خدائی کی صفت مخلوق میں کیسے آسکتی ہے؟

۴۳؎ یعنی خلق کرنے کے بعد کوئی چیز اللہ کے قابو سے باہر نہیں ہوگئی ہے، بلکہ ہر چیز پوری طرح اس کے کنٹرول میں ہے۔ پھر جس چیز پر اللہ کا کنٹرول ہو وہ خدا کیسے ہوسکتی ہے؟

۴۴؎ یہ حق و باطل کی کشمکش کی مثال ہے۔ آسمان سے پانی برسانے سے مراد وحی الٰہی کا نزول ہے۔ وادیوں کا اپنی سمائی کے مطابق بہہ نکلنے کا مطلب قبول حق کی استعداد رکھنے والوں کا اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس سے استفادہ کرنا ہے۔ سیلاب سے مراد حق کا سیلاب ہے۔ اور جھاگ سے مراد باطل کا جھاگ ہے جو حق و باطل کی کشمکش میں ابھر آتا ہے۔ دوسری مثال میں سونے چاندی کے زیور سے مراد اول درجہ کے مخلص مؤمن ہیں اور دوسری چیزوں سے مراد عام صالحین ہیں۔ اور ان کو تپانے سے مراد آزمائش کی بھٹی سے گزارنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب حق و باطل کی کشمکش برپا ہوتی ہے تو باطل ابھر کر سامنے آجاتا ہے۔ لیکن اس کی حقیقت جھاگ سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔ وہ تھوڑی دیر ہی میں ختم ہوجاتا ہے۔ البتہ حق اس طرح باقی رہتا ہے جس طرح کہ پانی زمین میں رہ جاتا ہے۔ اسی طرح سونے چاندی اور دھاتوں کو جب پگھلایا جاتا ہے تو میل کچیل ابھر آتا ہے اور فوراً ختم ہوجاتا ہے۔ اور جو خالص سونا، چاندی یا دھات ہے وہ باقی رہ جاتی ہے۔ گویا قانون قدرت یہ ہے کہ جو چیز لوگوں کو حقیقۃً فائدہ پہنچانے والی ہے وہ باقی رہے اور جو نقصان پہنچانے والی ہے وہ نابود ہوجائے۔ نزول قرآن کے بعد حق و باطل کی جو کشمکش برپا ہوئی تھی اس میں باطل تھوڑی دیر کے لئے جھاگ کی طرح ابھر آیا تھا، لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ حق کو بقا اور دوام حاصل ہوا اور باطل بالکل نابود ہوگیا۔

۴۵؎ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ مائدہ نوٹ ۱۲۴؎

۴۶؎ یعنی حساب کے لئے جب ان کی پیشی ہوگی تو نہایت سختی کے ساتھ ان سے باز پرس ہوگی اور انہیں قطرہ قطرہ کا حساب دینا ہوگا۔

اور جنہوں نے اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کیلئے صبر کیا، نماز قائم کی اور ہمارے دئے ہوئے رزق میں سے کھلے اور چھپے خرچ کیا۔ اور بُرائی کو بھلائی سے دور کرتے رہے، تو یہی لوگ ہیں جن کے لئے عاقبت کا گھر ہے۔ ہمیشگی کے باغ جن میں وہ داخل ہوں گے اور وہ بھی جو، ان کے والدین، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے صالح ہوں گے۔ اور فرشتے ہر دروازہ سے ان کے پاس آئیں گے۔ (القرآن)

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ
اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۙ﴿۱۹﴾

۱۹ کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے حق ہے، اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو اندھا ہے؟ ہوش میں تو دانشمند لوگ ہی آتے ہیں۔ ۴۷؎

اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۙ﴿۲۰﴾

۲۰ جو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اپنے قول وقرار کو توڑتے نہیں ہیں۔ ۴۸؎

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ
وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾

۲۱ اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں وہ جوڑتے ہیں ۴۹؎۔ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور برے حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں ۵۰؎۔

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ
وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ
بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۙ﴿۲۲﴾

۲۲ اور جنہوں نے اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کیلئے صبر کیا، ۵۱؎ نماز قائم کی اور ہمارے دئے ہوئے رزق میں سے کھلے اور چھپے خرچ کیا ۵۲؎۔ اور برائی کو بھلائی سے دور کرتے رہے ۵۳؎، تو یہی لوگ ہیں جن کے لئے عاقبت کا گھر ہے۔ ۵۴؎

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ
وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۚ﴿۲۳﴾

۲۳ ہمیشگی کے باغ جن میں وہ داخل ہوں گے اور وہ بھی جو، ان کے والدین، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے صالح ہوں گے۔ ۵۵؎ اور فرشتے ہر دروازہ سے ان کے پاس آئیں گے۔

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ ؕ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾

۲۴ (اور کہیں گے) تم پر سلامتی ہو اسلئے کہ تم نے صبر کیا ۵۶؎۔ تو کیا ہی اچھا ہے عاقبت کا گھر!

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ
وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى
الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾

۲۵ اور جو لوگ اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور ان رشتوں کو کاٹ ڈالتے ہیں، جن کو جوڑنے کا حکم اللہ نے دیا ہے اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں ۵۷؎۔ ان کے لئے لعنت ہے اور ان کے لئے بہت برا ٹھکانا۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۚ﴿۲۶﴾

۲۶ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے ناپ تلا کر دیتا ہے ۵۸؎۔ لوگ دنیا کی زندگی پر نازاں ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں، بجز اس کے کہ تھوڑے سے فائدہ کا سامان ہے۔ ۵۹؎

۴۷؎ یعنی یہ باتیں جو ارشاد ہوئی ہیں انسان کو حق شناس بنانے کے لئے کافی ہیں۔لیکن ہوش مندی کا ثبوت وہی لوگ دیتے ہیں جو دانا و بینا ہوتے ہیں۔ عقل اور دل کے اندھوں پر کوئی نصیحت کارگر نہیں ہوتی۔

۴۸؎ آدمی جب اپنی عقل کا صحیح استعمال کرتا ہے تو وہ خدا شناس بھی بن جاتا ہے اور خود شناس بھی۔اور یہ چیز اس کے اندر احساس ذمہ داری پیدا کرتی ہے جس کے نتیجہ میں اس کے اندر بہترین اوصاف پرورش پانے لگتے ہیں۔ان اوصاف میں جو وصف اولیت رکھتا ہے وہ اللہ سے وفائے عہد ہے۔عہد سے مراد اللہ کو اپنا رب تسلیم کرنے کا وہ عہد بھی ہے جو نسل انسانی سے ان کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی لیا گیا تھا اور جو انسان کی فطرت میں اس طرح پیوست ہے کہ وہ اپنے رب کو بآسانی پہچان لیتا ہے۔(ملاحظہ ہو سورۂ اعراف نوٹ ۲۶۴؎ اور ۲۶۵؎) اور وہ عہد بھی جو آدمی اللہ پر ایمان لاکر اس کے ساتھ باندھتا ہے۔

۴۹؎ مراد خاندانی رشتے اور ناطے ہیں۔اور ان کو جوڑنے کا مطلب ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق ادا کرنا ہے۔انسان کا اس معاملہ میں بڑا امتحان ہوتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔صلہ رحمی بہت بڑی اخلاقی خوبی ہے جب کہ قطع رحمی بہت بڑی بداخلاقی۔

۵۰؎ یعنی نیکی کی راہ پر چلنے کے باوجود یہ اندیشہ رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن کہیں ہم سے سخت باز پرس نہ کی جائے۔یہ اندیشہ ہی ان کی زندگیوں کو محتاط بنا دیتا ہے اور نیکی کی راہیں ان پر کھل جاتی ہیں۔

۵۱؎ معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک اس صبر کی قدر و قیمت ہے جو اس کی رضا حاصل کرنے کیلئے کیا جائے۔اگر یہ مقصد پیش نظر نہ ہو تو صبر پر کسی انعام کی توقع نہیں کی جاسکتی۔صبر یہ ہے کہ آدمی حق پر ثابت قدم رہے،اللہ کی عبادت و اطاعت کیلئے تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کرے،بدحالی اور بیماری کو انگیز کرے،آفتوں اور مصیبتوں کو جھیلے اور لوگوں کی اصلاح اور اللہ کی راہ میں جدوجہد کے سلسلہ میں عزم و ہمت سے کام لے۔اس طرح مؤمن کی پوری زندگی صبر کی زندگی ہوتی ہے۔

۵۲؎ مراد اللہ کی رضا کیلئے خرچ کرنا اور خیر کے کاموں پر خرچ کرنا ہے۔مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ۴۵۲؎ ۔

۵۳؎ گندگی کو گندگی سے دور نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کو دھونے کے لئے پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔اسی طرح برائی کو جوابی برائی کے ذریعہ نہیں، بلکہ نیکی اور حسن سلوک ہی کے ذریعہ دور کیا جاسکتا ہے۔اس لئے ایک بگڑے ہوئے ماحول میں اصلاح کا کام کرنے والوں کا اصل ہتھیار نیکی ہوتا ہے۔

۵۴؎ یعنی آخرت کا گھر جس کی نعمتیں ایسے ہی لوگوں کے حصہ میں آئیں گی۔

۵۵؎ اہل ایمان کو یہ مزید خوشخبری سنادی گئی ہے کہ ان کے والدین،ازواج اور اولاد میں سے جو صالح ہوں گے ان کے ساتھ جنت میں جمع ہوں گے تاکہ ان کیلئے مزید مسرت کا باعث بنیں۔یہ خوشخبری اہل ایمان کو اس بات کیلئے آمادہ کرتی ہے کہ وہ اپنے گھر کے ماحول کو صالح بنانے کی کوشش کریں تاکہ گھر کے سبھی افراد جنت کے مستحق بنیں۔

۵۶؎ یعنی جو صابرانہ زندگی تم نے دنیا میں گذاری اس کی بدولت تم جنت کے مستحق قرار پائے،جہاں تمہارے لئے ہر طرح سلامتی ہی سلامتی ہے۔اس تصور ہی میں اہل ایمان کیلئے روحانی لذت کا بڑا سامان ہے،کہ جنت میں فرشتے ان سے ملنے کے لئے آئیں گے اور انہیں اس کامیابی پر مبارکباد دیں گے۔

۵۷؎ یہ ان لوگوں کا حال ہے جو خدائے واحد کے بندے بن کر رہنا نہیں چاہتے۔وہ بندگی کے اس عہد کو جو عہد فطرت ہے توڑ دیتے ہیں۔نیز کسی مصیبت میں گھر جانے کی صورت میں خدا سے بندگی کا شعوری طور پر جو عہد کرتے ہیں،اس کو بھی مصیبت سے نجات ملنے کے بعد توڑ ڈالتے ہیں۔اور کفر و شرک کی راہ پر چل کر دنیا میں ہر قسم کا بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔

۵۸؎ مشرکوں اور کافروں کے ہاں دولت کی ریل پیل اور ان کی معاشی ''ترقی'' کو دیکھ کر لوگ اس مغالطہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ اگر یہ لوگ لعنت کے مستحق ہوتے تو دنیا ان پر کشادہ کیسے ہوتی!اسی مغالطہ کو دور کرنے کیلئے فرمایا کہ رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔اور انسان کی اس معاملہ میں آزمائش ہوتی ہے کہ وہ دنیا کو مقصود بناتا ہے یا آخرت کو۔لہٰذا کسی کیلئے رزق کی فراخی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ پسندیدہ ہے۔ بقیہ صفحہ ۷۷۶ پر

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝۲۷

۲۷ یہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے کہتے ہیں کہ اس شخص پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اُتری ۶۰؎؟ کہو، اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ اور اپنی طرف بڑھنے کی راہ، اسے دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ۶۱؎

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝۲۸

۲۸ جو ایمان لاتے ہیں اور جن کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہوتے ہیں۔ سنو! اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ ۶۲؎

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝۲۹

۲۹ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے مبارکباد ہے ۶۳؎ اور بہترین انجام۔

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۝۳۰

۳۰ اس طرح ہم نے تم کو ایک ایسی امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے جس سے پہلے بہت سی امتیں گذر چکی ہیں تا کہ تم انہیں وہ بات سناؤ جو ہم نے تم پر نازل کی ہے ۶۴؎، اس حال میں کہ وہ رحمٰن کا انکار کر رہے ہیں ۶۵؎۔ کہو، وہی میرا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ اَفَلَمْ يَايْــَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝۳۱

۳۱ اور اگر کوئی ایسا قرآن نازل ہوتا جس سے پہاڑ چلنے لگتے یا زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی یا مردے بولنے لگتے ۶۶؎، (پھر بھی یہ ایمان نہ لاتے۔ اور نہ تمہارے بس میں ہے کہ ایسا کر دکھاؤ) بلکہ سارا اختیار اللہ ہی کو ہے ۶۷؎۔ پھر کیا اہل ایمان یہ جان کر کہ اگر اللہ چاہتا تو تمام لوگوں کو ہدایت دے دیتا (ان ہٹ دھرموں کے ایمان نہ لانے سے) مایوس نہیں ہوئے؟ ۶۸؎ اور کافروں پر ان کی کرتوتوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی آفت آتی ہی رہے گی یا ان کی آبادیوں کے قریب نازل ہوتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ ظہور میں آئے ۶۹؎۔ اللہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۡ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۳۲

۳۲ تم سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا جا چکا ہے تو میں نے کافروں کو ڈھیل دی، پھر ان کو پکڑ لیا۔ تو دیکھو میری سزا کیسی رہی!

۶۰ ؎ مراد حسی نشانی یعنی معجزہ ہے۔ مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ انعام نوٹ ۶۴ ؎ اور ۶۵ ؎ ۔

۶۱ ؎ مطلب یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی ذات میں آپ کے نبی ہونے کی نشانیاں اتنی جمع ہوگئی ہیں کہ کسی حسی معجزہ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ ان ساری نشانیوں کو دیکھ لینے کے بعد بھی جو لوگ آپ کی رسالت کو تسلیم کرنے سے انکار کر رہے ہیں، ان کو یہ توفیق کہاں ہوسکتی ہے کہ راہِ حق کو پالیں۔ راہ حق کی طرف بڑھنے کی توفیق اللہ تعالیٰ اس کو دیتا ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور اس سے درخواست کرتا ہے کہ خدایا مجھے راہ حق دکھا۔

۶۲ ؎ یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنے والے لوگ ہی ایمان لاتے ہیں۔ اور جب ایمان لاتے ہیں تو اللہ کی یاد ان کے اطمینان قلب کا سامان بن جاتی ہے۔ کیوں کہ ایمان لانا اللہ کو پالینا ہے اور جب ایک مؤمن اللہ کو پالیتا ہے تو اسے تمام ذہنی الجھنوں سے نجات مل جاتی ہے۔ اور اس کے جذبات اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہوجاتے ہیں جس سے دل میں سکون وطمانیت کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ آیت اہل ایمان کو روحانی دولت سے مالا مال کردیتی ہے۔ ایک مؤمن اللہ کو جتنا یاد کرے گا اتنا ہی اسے روحانی اور قلبی سکون نصیب ہوگا۔ اور یہ دولت ایسی ہے جس کے مقابلہ میں ساری دولتیں ہیچ ہیں۔

۶۳ ؎ اس مبارکباد میں اہل ایمان کے لئے مسرتوں اور امیدوں کی دنیا آباد ہے، کیوں کہ یہ مبارکباد اللہ کی طرف سے ہے۔ اور جب اس کا احساس ایک مؤمن کو ہوجاتا ہے تو وہ موت سے پہلے ہی اڑنے کیلئے پر تول لیتا ہے۔

۶۴ ؎ اس آیت میں مشرکین کو قرآن سنانے کا حکم دیا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن مسلم اور غیر مسلم سب کے سمجھنے کی چیز ہے۔ اگر وہ عربی داں نہیں ہیں تو ترجمہ کی مدد سے ان کو قرآن سمجھایا جانا چاہئے۔

۶۵ ؎ رسالت اور وحی کا انکار کرنے والے درحقیقت خدائے رحمٰن ہی کے منکر ہوتے ہیں۔ کیوں کہ اگر وہ اللہ کو رحمن (مہربان) مانتے تو انہیں رسول کی بعثت اور قرآن کے نزول پر تعجب نہیں ہوتا، بلکہ وہ سمجھتے کہ خدائے رحمٰن اپنے بندوں پر مہربان ہونا چاہتا ہے اس لئے اس نے یہ رحمت نازل کی ہے۔

۶۶ ؎ اس شرطیہ جملہ کا جواب حذف کردیا گیا ہے کیوں کہ اس کا جواب واضح ہے۔ عربی کا اسلوب یہ ہے کہ ایسے موقع پر جواب حذف کردیتے ہیں اور پڑھنے والا اس کا مفہوم سمجھ لیتا ہے۔ ہم نے اس کو قوسین میں کھول دیا ہے۔

۶۷ ؎ مطلب یہ ہے کہ اگر ان پر ایسا قرآن نازل کیا جاتا جس کے ذریعہ پہاڑوں کے چلنے یا زمین کے پاش پاش ہونے یا مردوں کے کلام کرنے جیسے معجزے ظاہر ہوتے، تو بھی جو لوگ ہٹ دھرمی میں مبتلا ہیں وہ ایمان نہ لاتے بلکہ اس کو جادو وغیرہ پر محمول کرتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ معجزے دکھانا رسول کے اختیار کی چیز نہیں ہے بلکہ اس کا اختیار اللہ ہی کو ہے۔ وہ چاہے گا تو معجزہ دکھائے گا نہیں چاہے گا تو نہیں دکھائے گا۔

۶۸ ؎ کافروں کی طرف سے معجزہ کے شدید مطالبہ کے پیش نظر بعض مسلمان یہ خیال کر رہے تھے، کہ اگر اللہ تعالیٰ کوئی حسی معجزہ دکھاتا تو شاید یہ لوگ ایمان لے آتے۔ ان کے اسی خیال کی تردید یہاں کی گئی ہے کہ ایمان کا تعلق عقل وبصیرت سے ہے، اور عقل وبصیرت سے کام لینے والوں کیلئے قرآن بجائے خود بہت بڑا معجزہ ہے۔ لیکن جو لوگ عقل وبصیرت سے کام لینا نہیں چاہتے ان کو اگر ان کا منہ مانگا معجزہ دکھادیا جائے پھر بھی وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ ہاں اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت کی راہ پر چلنے کیلئے مجبور کردیتا۔ لیکن جب اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ انسان کو یہ اختیار بخشا کہ وہ اپنی مرضی سے ہدایت یا گمراہی کا انتخاب کرے، تو جن لوگوں نے گمراہی کا انتخاب کرکے ہٹ دھرمی کی راہ اختیار کی ہے ان سے یہ توقع کس طرح کی جاسکتی ہے کہ وہ معجزہ دیکھ کر راہ راست پر آجائیں گے؟

۶۹ ؎ یعنی قیامت تک کافروں پر ایک نہ ایک آفت نازل ہوتی رہے گی۔ کبھی ایک قوم پر، کبھی دوسری قوم پر، کبھی ایک آبادی پر اور کبھی دوسری آبادی پر، کبھی ایک ملک میں اور کبھی دوسرے ملک میں، تاکہ وہ اپنی کرتوتوں کا دنیا میں بھی مزا چکھیں اور انہیں تنبیہ بھی ہو۔ یہ آفتیں قدرتی بھی ہوسکتی ہیں اور انسانوں کے ہاتھوں بھی۔ جیسا کہ جنگ وغیرہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں تو یہ آفتیں اس تیزی سے آرہی ہیں کہ کوئی دن ایسا نہیں گذرتا، کہ کسی نہ کسی جگہ سے چھوٹی یا بڑی آفت کی خبر نہ ملتی ہو۔ طوفان، سیلاب، قحط اور زلزلہ جیسی قدرتی آفتوں کے علاوہ بڑے بڑے حادثات، فسادات اور جنگی کارروائیوں نے المناک صورت پیدا کردی ہے۔

أَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۗ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ۭ قُلْ سَمُّوْهُمْ ۭ أَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۭ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝۳۳

۳۳ پھر کیا وہ، جو ہر شخص پر نگاہ رکھتا ہے کہ اس نے کیا کمائی کی (وہ اس کو یونہی چھوڑ دے گا؟ اس حقیقت کو انہوں نے جھٹلایا) اور انہوں نے اللہ کے شریک ٹھہرا دیئے ۷۰؎۔ ان سے کہو ذرا ان کے نام تو لو، ۷۱؎ کیا تم اسے ایسی بات کی خبر دے رہے ہو جس کو وہ نہیں جانتا کہ زمین میں اس کا کوئی وجود ہے ۷۲؎ ؟ یا پھر تم محض سطحی باتیں کرتے ہو ۷۳؎؟ واقعہ یہ ہے کہ کافروں کیلئے ان کی مکاریاں خوشنما بنادی گئی ہیں۔ ۷۴؎ اور انہیں راہ راست سے روک دیا گیا ہے ۷۵؎۔ اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔ ۷۶؎

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ أَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝۳۴

۳۴ ان کیلئے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے۔ ۷۷؎ اور آخرت کا عذاب تو کہیں زیادہ سخت ہوگا۔ کوئی نہیں جو انہیں اللہ (کے عذاب) سے بچا سکے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۭ أُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۡ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝۳۵

۳۵ متقیوں سے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اس کے پھل دائمی ہیں اور اس کی چھاؤں بھی دائمی ۷۸؎۔ یہ انجام ہے ان لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا ۷۹؎۔ اور کافروں کا انجام آگ ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ أُشْرِكَ بِهٖ ۭ إِلَيْهِ أَدْعُوْا وَإِلَيْهِ مَاٰبِ ۝۳۶

۳۶ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی تھی وہ اس (کتاب) سے خوش ہیں جو تم پر اتاری گئی ہے ۸۰؎ اور ان گروہوں میں ایسے بھی ہیں جو اس کی بعض باتوں سے انکار کر رہے ہیں ۸۱؎۔ کہو مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کروں اور اس کا شریک نہ ٹھہراؤں۔ اسی کی طرف میں بلاتا ہوں اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُمْ بَعْدَمَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝۳۷

۳۷ اس طرح ہم نے اسے عربی فرمان کی شکل میں نازل کیا ہے ۸۲؎۔ اور اگر تم نے اس علم کے آجانے کے بعد ۸۳؎ ان کی خواہشات ۸۴؎ کی پیروی کی، تو اللہ کے مقابل نہ تمہارا کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ أَنْ يَّأْتِيَ بِاٰيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ۝۳۸

۳۸ اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے تم سے پہلے بھی رسول بھیجے تھے اور ان کو بیویوں اور اولاد والا بنایا تھا ۸۵؎۔ اور کسی پیغمبر کے بس میں نہ تھا کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نشانی لاکر دکھاتا۔ ہر دور کیلئے ایک نوشتہ ہے۔ ۸۶؎

۷۰؎ یعنی جو خدا ایک ایک شخص کے ایک ایک عمل کی نگرانی کر رہا ہے وہ ان سے باز پرس کیسے نہیں کرے گا؟ مگر ان لوگوں نے خدائی میں دوسروں کو شریک ٹھہرا کر باز پرس کے تصور ہی سے نجات حاصل کر لی ہے۔ کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے یہ حمایتی اور سفارشی ہر جگہ ہماری مدد کے لئے کافی ہیں۔ اگر مرنے کے بعد کوئی مرحلہ پیش آیا تو وہاں بھی ہمارے ہی معبود ہمارے لئے وسیلۂ نجات بنیں گے۔

۷۱؎ یہ طنز ہے ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے بے حقیقت ہونے پر۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ اللہ تو وہ زبردست ہستی ہے جو ایک ایک شخص کی نگرانی کر رہا ہے۔ اس لئے اس کو معبود بنانا بھی برحق ہے اور اس کی باز پرس سے ڈرنا بھی برحق۔ لیکن تم نے جن کو معبود بنا رکھا ہے ان میں کون ہے جو خدائی کی یہ شان رکھتا ہو؟ کیا تم ناموں کی صراحت کے ساتھ یہ بتا سکتے ہو کہ یہ اور یہ ہستیاں اللہ کے جیسی صفات اور اختیارات رکھتی ہیں؟

۷۲؎ اگر تم یہ دعویٰ کرتے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کو متعدد خداؤں کے وجود کی خبر دے رہے ہو، جب کہ اللہ کو نہیں معلوم کہ کہیں کسی خدا کا وجود ہے۔ اور جو بات اللہ کے علم میں نہیں وہ لازماً اپنا وجود نہیں رکھتی۔

۷۳؎ یعنی جس چیز کی کوئی حقیقت نہیں اس کا دعویٰ ایک بے سوچی سمجھی اور نامعقول بات ہی ہو سکتی ہے۔ مگر تم لوگوں کو اس کا کوئی احساس نہیں کہ کیسی بے سروپا باتیں ہیں جو تم کرتے ہو۔

خدا کے بارے میں انسان کو سب سے زیادہ سنجیدہ ہونا چاہئے مگر واقعہ یہ ہے کہ اکثر لوگ خدا کے بارے میں سب سے زیادہ غیر سنجیدہ بنے ہوئے ہیں۔ وہ بلا دلیل خدا کے بارے میں جو منہ میں آیا کہہ دیتے ہیں۔

۷۴؎ یعنی شرک کی نامعقولیت واضح ہو جانے کے بعد بھی لوگ اسے اس لئے چھوڑنے کے آمادہ نہیں ہوتے، کہ اس صورت میں ان کے مفادات متاثر ہوں گے، ان کو سماج میں جو مقام حاصل ہے وہ باقی نہیں رہے گا اور ان کا اقتدار خطرہ میں پڑے گا۔ وہ اپنی ان ناجائز اغراض پر پردہ ڈالنے کے لئے شرک اور مشرکانہ مذہب کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ سب ان کی چالبازیاں ہیں۔

۷۵؎ یعنی اللہ کا قانون ضلالت ان پر لاگو ہو گیا۔

۷۶؎ قانون قدرت یہ ہے کہ جو شخص آنکھیں بند کئے رہتا ہے اس کو آفتاب ہدایت دکھائی نہیں دیتا۔ اور نہ کسی کے بس میں ہوتا ہے کہ اسے روشنی دکھائے۔

۷۷؎ دنیا میں جو عذاب کافروں، مشرکوں اور ملحدوں پر آتا ہے وہ مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے اور درجہ کے اعتبار سے بھی وہ مختلف ہوتا ہے۔ رسول کے ذریعہ حجت قائم ہو جانے کے بعد جو عذاب آتا ہے وہ تو ایک فیصلہ کن عذاب ہوتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی چھوٹے بڑے عذابوں کا سلسلہ دنیا میں جاری رہتا ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ایک کافر پر خدا کی ایسی مار پڑتی رہتی ہے کہ اس کو سخت قلبی تکلیف اور روحانی الم محسوس ہونے لگتا ہے، خواہ وہ کتنی ہی عیش و عشرت کی زندگی کیوں نہ گذار رہا ہو۔ بخلاف اس کے ایک مخلص مؤمن کو دنیا میں جو تکلیف پہنچتی ہے، وہ چونکہ آزمائش کے طور پر ہوتی ہے اور اس کو برداشت کرنا باعث اجر ہوتا ہے، اس لئے اس کے روحانی سکون میں کوئی کمی نہیں ہوتی، بلکہ اضافہ ہی ہوتا ہے۔ اس لئے یہ تکلیفیں مؤمن کے حق میں عذاب نہیں، بلکہ اس کو سکون و راحت سے ہم کنار کرنے والی ہوتی ہیں۔

۷۸؎ یعنی وہ سدا بہار جنت ہے جس کے پھل موسمی نہیں بلکہ دائمی ہیں۔ اور جس کی چھاؤں بھی ہمیشہ قائم رہنے والی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جنت کی دنیا موجودہ دنیا سے کتنی مختلف ہوگی اور وہاں کی ہر چیز کس قدر معیاری اور اعلیٰ ہوگی!

۷۹؎ یہاں تقویٰ کا لفظ شرک اور کفر کے بالمقابل استعمال ہوا ہے، جس سے واضح ہوا کہ تقویٰ کا بنیادی مفہوم یہ ہے کہ آدمی شرک اور کفر سے بچے، جب کہ اس کے وسیع تر مفہوم میں ہر طرح کی معصیتوں سے بچنا شامل ہے۔

۸۰؎ مراد اہل کتاب میں سے وہ لوگ ہیں جو اللہ پر مخلصانہ ایمان رکھتے تھے اور کسی گروہ بندی اور مذہبی تعصب کا شکار نہ تھے۔ جب قرآن ان کے سامنے آیا تو

انہیں خوشی ہوئی کہ ہمارے رب کی طرف سے ہماری ہدایت کا سامان ہوا۔ اشارہ غالباً حبشہ کے نصاریٰ کی طرف ہے جہاں مسلمان ہجرت کر کے گئے تھے اور جہاں کے بادشاہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

۸۱۔ اشارہ ہے اہل کتاب کے ان فرقوں کی طرف جنہیں قرآن کی بعض باتوں اور خاص طور سے توحید خالص سے انکار تھا۔

۸۲۔ یعنی جس طرح ہم نے تمہیں عرب قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔۔۔۔۔۔جس کا ذکر اوپر آیت ۳۰ میں ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اسی طرح ہم نے ان کی زبان میں جو عربی ہے قرآن کو ایک فرمان کی شکل میں نازل کیا تا کہ وہ اسے سمجھیں۔ اور رسول کی بعثت چونکہ براہ راست اس قوم کی طرف ہے اس لئے اس پر اللہ کی حجّت پوری طرح قائم ہو جائے۔

۸۳۔ علم سے مراد دین کا صحیح علم ہے جو قرآن کی شکل میں نازل ہوا ہے۔

۸۴۔ خواہشات سے مراد وہ عقیدے اور طور طریقے ہیں جو علم حق پر نہیں، بلکہ لوگوں کی اپنی خواہشات پر مبنی ہیں۔

اس اصولی بات کا اطلاق ان بدعتوں پر بھی ہوتا ہے جو مسلمانوں نے اختیار کر رکھی ہیں اور جس نے دین کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔

۸۵۔ یہ منکرین کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ یہ شخص اگر پیغمبر ہے تو بیوی بچے کیسے رکھتا ہے، اور وہ سمجھتے تھے کہ پیغمبر کو بشریت سے بالاتر ہونا چاہئے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس سے پہلے جو رسول بھیجے گئے تھے وہ بھی بشر ہی تھے اور وہ بشریت کے تقاضوں کو پورا کرتے تھے، ایسا ہونا رسول کی شان کے خلاف نہیں ہے۔

۸۶۔ یعنی جس دور میں اللہ تعالیٰ نے جس رسول کو بھیجا اس دور کی مناسبت سے اس کو نشانیاں عطاء کیں، جو اس کی رسالت پر دلالت کرتی تھیں۔ ان نشانیوں کا ظہور اللہ تعالیٰ کے اس حکیمانہ فیصلہ کے مطابق ہوا تھا جو اس دور کے لئے اس نے کیا تھا۔ اور ہر دور کے لئے اس کے فیصلے ایک نوشتہ (کتاب) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دور گذرے ہوئے دوروں سے مختلف ہے۔ اس لئے ماضی میں جس طرح حسی معجزے رسولوں کو دیئے گئے تھے اس طرح کے کسی معجزے کا مطالبہ اس دور میں کرنا صحیح نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا اس لئے انہیں لاٹھی کے سانپ بن جانے کا معجزہ دیا گیا تا کہ وہ جادو پر غالب آجائے اور ان کے رسول ہونے کی دلیل بنے۔

اس طرح عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فن طب عروج پر تھا۔ اس لئے انہیں اندھوں اور کوڑھیوں کو شفایاب کرنے کا معجزہ عطا کیا گیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ فصاحت و بلاغت کے عروج کا دور ہے، اس لئے آپ کو ایسی بلیغ کتاب عطاء کی گئی کہ اس کے کلام بلاغت نظام کے آگے اس فن کے بڑے بڑے ماہرین کو بھی سپر ڈالنا پڑی۔ پھر نبی ﷺ کا دور قیامت تک کے لئے ہے اس لئے کوئی ایسا معجزہ ہی آپ کے لئے موزوں ہو سکتا تھا جو مستقل ہو اور جس کو بعد کے لوگ بھی دیکھ سکیں۔ چنانچہ قرآن تا قیامت تک ایک زندہ معجزہ ہے۔ اس دور کے لئے فیصلۂ الٰہی یہی ہے جو ایک نوشتہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

❑❑❑❑❑❑

بقیہ صفحہ ۷۷۱ سے آگے

۵۹۔ لوگوں کو آخرت کی زندگی کو نظر انداز کر کے دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھ لینا اور دنیوی ترقیوں پر اترانا وہ بنیادی غلطی ہے، جس نے ان کو بالکل غلط رخ پر ڈال دیا ہے۔ اس وقت تو وہ اپنی دنیا بنانے میں مگن ہیں مگر ان کی آنکھیں اس وقت کھلیں گی جب آخرت برپا ہوگی۔ اس وقت انہیں احساس ہوگا کہ نہ دنیا کی دولت حقیقی دولت تھی اور نہ دنیوی ترقی حقیقی ترقی۔ انہوں نے اپنی زندگیوں کو غلط رخ پر ڈال کر آخرت کی ابدی دولت اور لازوال نعمتوں سے اپنے آپ کو محروم کر لیا ہے۔

اللہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے
قائم رکھتا ہے۔ ام الکتاب (اصل کتاب) اُسی کے پاس
ہے۔ اور ہم نے جس چیز کا ان سے وعدہ کر رکھا ہے اس
کا کچھ حصہ ہم تمہیں دکھا دیں یا (اس سے پہلے ہی) تمہیں
وفات دے دیں۔ بہر حال تم پر ذمہ داری صرف پیغام پہنچا
دینے کی ہے۔ اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔ (القرآن)

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

۳۹ اللہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے ۸۷؎۔ ام الکتاب (اصل کتاب) اُسی کے پاس ہے۔ ۸۸؎

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾

۴۰ اور ہم نے جس چیز کا ان سے وعدہ کر رکھا ہے اس کا کچھ حصہ ہم تمہیں دکھا دیں یا (اس سے پہلے ہی) تمہیں وفات دے دیں ۸۹؎۔ بہر حال تم پر ذمہ داری صرف پیغام پہنچا دینے کی ہے۔ اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾

۴۱ کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم اس سرزمین کی طرف اس کی سرحدوں کو گھٹاتے ہوئے بڑھ رہے ہیں ۹۰؎۔ اللہ حکم نافذ کرتا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کے حکم کو ٹال سکے۔ اور وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے۔

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾

۴۲ اور جو لوگ ان سے پہلے گذر چکے ہیں انہوں نے بھی چالیں چلی تھیں، مگر تمام تدبیریں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔ وہ ہر شخص کی کمائی کو جانتا ہے۔ اور عنقریب ان کافروں کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کے لئے عاقبت کا گھر ہے!

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

۴۳ کافر کہتے ہیں کہ تم اس کے بھیجے ہوئے نہیں ہو۔ کہو میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے اللہ کافی ہے، نیز وہ لوگ جو کتاب الٰہی کا علم رکھتے ہیں۔ ۹۱؎

۸۷۔ اوپر کی آیت میں نشانی (معجزہ) کے تعلق سے جو بات فرمائی گئی ہے اس کے پیش نظر اس آیت کا مفہوم یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ جس نشانی (معجزہ) کو چاہتا ہے عارضی بنا دیتا ہے اور جس نشانی (معجزہ) کو چاہتا ہے مستقل بنا دیتا ہے۔ پچھلے پیغمبروں کو جو معجزے دئے گئے تھے وہ وقتی تھے، لیکن قرآن کی شکل میں جو معجزہ نبی ﷺ کو دیا جا رہا ہے وہ رہتی دنیا تک قائم اور زندہ رہنے والا معجزہ ہے۔

۸۸۔ یعنی اس کے پاس وہ کتاب موجود ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے تمام فیصلے درج ہیں۔ کس رسول کو کس دور میں کون سا معجزہ دے کر بھیجا جائے یہ ایک طے شدہ بات ہے، جس کا اندراج ام الکتاب میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رسولوں کی بعثت اور ان کے ہاتھوں مختلف قسم کے معجزوں کے ظہور کے لئے اللہ تعالیٰ کی ایک طے شدہ اسکیم ہے جو منضبط شکل میں اس کے پاس موجود ہے۔ اور اسی کے مطابق واقعات ظہور میں آتے ہیں۔ لہٰذا تم الٹے سیدھے مطالبے کرنے کے بجائے اس اسکیم اور اس حکمت کو سمجھنے کی کوشش کرو جس کے مطابق اس رسول کی بعثت ہوئی ہے۔

۸۹۔ اس کی تشریح سورۂ یونس نوٹ ۷۵۔ میں گذر چکی۔

۹۰۔ یعنی مکہ کے اطراف مثلاً مدینہ وغیرہ میں اسلام کا اثر بڑھتا جا رہا ہے اور مختلف قبائل میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اسلام غلبہ کی طرف بڑھ رہا ہے، اور مشرکوں اور کافروں پر مکہ کی زمین روز بروز تنگ ہوتی جا رہی ہے۔ قرآن کی یہ بات بالکل سچ ثابت ہوئی اور چند سال کے اندر اندر نہ صرف مدینہ میں اسلام غالب ہوا، بلکہ مکہ کو فتح کرتا ہوا پورے عرب پر چھا گیا۔

۹۱۔ مراد اہل کتاب کے وہ لوگ ہیں جو کتاب الٰہی کا علم رکھتے تھے اور حق پسند تھے، ان کی گواہی کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تائید میں اس لئے پیش کیا گیا، کہ پچھلی کتابوں میں ایک رسول کی بعثت کے سلسلہ میں جو پیشین گوئیاں موجود تھیں، وہ پوری طرح آپ پر صادق آ رہی تھیں۔ اور آپ کی دعوت ٹھیک وہی دعوت تھی جس کی طرف انبیاء علیہم السلام دعوت دیتے آ رہے ہیں۔ اس لئے نصاریٰ، میں سے نجاشی (شاہ حبش) جیسے لوگوں کا آپ پر ایمان لانا شہادت کے تعلق سے کافی اہم بات ہے۔ چونکہ مشرکین مکہ رسالت سے ناآشنا تھے اور اہل کتاب رسالت سے اچھی طرح آشنا تھے، اس لئے مشرکین مکہ کو متوجہ کیا گیا کہ ان سے معلوم کرو کہ رسول اس سے پہلے بھی آتے رہے ہیں یا نہیں؟ اور وہ انسان تھے یا کچھ اور؟

تفسیر
سورۃ ابراھیم

۱۴۔سورہ ابراھیم

نام آیت ۳۵ میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا بیان ہوئی ہے۔اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام ''ابراہیم'' ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے۔اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی جب کہ ایمان لانے والوں کو سخت اذیتیں پہنچائی جا رہی تھیں۔یہ زمانہ ہجرت حبشہ اور اس کے بعد کا ہے۔اور اغلب ہے کہ سورۂ رعد کے بعد یہ نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون یہ واضح کرنا ہے کہ رسول بھیجنے کا مقصد کیا ہے اور اس کے ذریعہ انسانیت پر خدا کی راہ کس طرح روشن ہو رہی ہے۔جو لوگ اس عظیم مقصد کی طرف سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں وہ رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے ہیں۔اور اس کے پیروؤں کو اذیتیں پہنچانے کے درپے ہیں۔ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہی ٹوٹ سکتا ہے اور وہ بدترین سزا ہی کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۴ میں رسول اور قرآن کے بھیجنے کا مقصد واضح کیا گیا ہے۔

آیت ۵ تا ۱۷ میں تاریخ انبیاء کے کچھ اوراق پیش کئے گئے ہیں جن سے یہ سبق ملتا ہے کہ رسول کی مخالفت کرنے والے اور ان کی راہ میں کانٹے بچھانے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔ایسے لوگوں کو آخرت میں جو سزا بھگتنا ہوگی اس کی بھی ایک جھلک پیش کی گئی ہے جو رونگٹے کھڑے کر دینے والی ہے۔

آیت ۱۸ تا ۲۳ میں ان کی نامرادی کا مزید حال پیش کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ اہل ایمان کس طرح بامراد ہوں گے۔

آیت ۲۴ تا ۳۴ میں ایمان اور کفر کے مختلف نتائج کو مثال کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے۔کافروں کو نعمت خداوندی کی ناشکری پر متنبہ کیا گیا ہے۔اور اہل ایمان کو شکر گذاری کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

آیت ۳۵ تا ۴۱ میں ابراہیم علیہ السلام کی وہ دعا پیش کی گئی ہے جو تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔وہ اپنی نسل کو شرک سے محفوظ اور توحید پر قائم رکھنے کے لئے ایک بے تاب دل رکھتے تھے۔مگر ان کی اولاد (بنی اسمٰعیل) ان کو اپنا پیشوا مانتے ہوئے آج جو کچھ کر رہی ہے وہ ان کی آرزو، ان کی دعا اور ان کے طرز عمل کے سراسر خلاف ہے۔

آیت ۴۲ تا ۵۲ خاتمۂ کلام ہے جس میں قیامت اور اس کے عذاب کا ہولناک نقشہ کھینچا گیا ہے۔

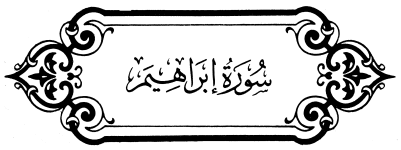

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ ①

اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِۨ ②

الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ③

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ④

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ⑤

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ⑥

۱۴۔ سُورۃُ ابراھیم

آیات ۵۲

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

① الف۔لام۔را۔ ۱؎ یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے (اے پیغمبر!) تم پر نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آؤ ۲؎۔ اس کی راہ پر جو غالب بھی ہے اور خوبیوں والا بھی۔ ۳؎

② اللہ کہ مالک ہے ان چیزوں کا جو آسمانوں میں ہے اور ان چیزوں کا جو زمین میں ہیں۔ اور تباہی ہے کافروں کے لئے کہ انہیں سخت سزا بھگتنا ہوگی۔

③ جو آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں ۴؎۔ اور اللہ کے راستہ سے لوگوں کو روکتے ہیں اور اس میں ٹیڑھ پیدا کرنا چاہتے ہیں ۵؎۔ یہ لوگ پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

④ ہم نے جو رسول بھی بھیجا اس کی قوم کی زبان ہی میں (پیغام دے کر) بھیجا تاکہ وہ (اس پیغام کو) لوگوں پر اچھی طرح واضح کر دے ۶؎۔ پھر اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ ۷؎ وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

⑤ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کیساتھ بھیجا تھا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ۔ اور انہیں اللہ کے یادگار دن ۸؎ یاد دلاؤ۔ اس میں ہر اس شخص کیلئے جو صبر اور شکر کرنے والا ہے بڑی نشانیاں ہیں۔ ۹؎

⑥ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا، ۱۰؎ اللہ نے جو فضل تم پر کیا ہے اسے یاد رکھو جب کہ اس نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دی جو تمہیں بُری طرح تکلیف دیتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے ۱۱؎۔ اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔

۱؎ حروف مقطعات کی تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ یونس نوٹ ۱؎ اور سورۂ بقرہ نوٹ ۱؎۔

۲؎ یہ وہ اہم ترین مقصد ہے جس کے لئے قرآن کا نزول ہوا ہے۔ یعنی لوگوں کو عقیدہ و عمل کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان و عمل صالح کی روشنی میں لے آنا۔ پیغمبر کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ دعوت و تبلیغ، فہمائش و تذکیر اور تعلیم و ارشاد کے ذریعہ لوگوں کو روشنی میں لانے کی کوشش کرے۔ اور اس روشنی کو قبول کرنے کی توفیق دینا اللہ ہی کا کام ہے۔ بالفاظ دیگر جو لوگ روشنی میں آئے اللہ کی توفیق ہی سے آئے مگر ذریعہ پیغمبر اور قرآن بنے۔

۳؎ یعنی روشنی میں لانے کا مطلب اللہ کی راہ پر لانا ہے۔ یہاں اللہ کی دو صفتیں بیان ہوئی ہیں ایک یہ کہ وہ عزیز یعنی غالب ہے اور دوسری یہ کہ وہ حمید یعنی خوبیوں والا ہے۔ مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ یہ دین جو خدا تک پہنچنے کی واحد راہ ہے، انسان اس پر چل کر ایک ایسی ہستی سے اپنا تعلق قائم کر لیتا ہے جس کے قبضۂ قدرت میں پوری کائنات ہے اور جو خوبیوں ہی خوبیوں والا ہے۔ اس لئے اس سے تعلق استوار کر کے انسان نہال ہی ہو سکتا ہے اور اس کی کوئی امید ایسی نہیں ہو سکتی جو بر نہ آئے۔

۴؎ انسان جس چیز کو سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہے اس کے لئے دوسری چیزوں کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ جو لوگ دنیا کو عزیز رکھتے ہیں وہ اس کے مفاد کو کسی طرح چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، خواہ آخرت کے مفاد کو انہیں قربان کیوں نہ کرنا پڑے۔ دنیا کی حد سے زیادہ محبت ہی انہیں آخرت کے انکار پر آمادہ کرتی ہے۔ اگر وہ کھل کر آخرت کا انکار نہیں کرتے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ واقعی انہوں نے آخرت کو اپنا نصب العین بنا لیا ہے۔ کیوں کہ انہوں نے اگر واقعی آخرت کو نصب العین بنا لیا ہوتا تو جو قدم بھی وہ اٹھاتے آخرت کے مفاد کو پیش نظر رکھ کر ہی اٹھاتے۔

۵؎ اس کی تشریح سورۂ آل عمران نوٹ ۱۲۵؎ میں گذر چکی۔

۶؎ یعنی رسول کو بھیجنے سے مقصود اچنبھے دکھانا نہیں بلکہ لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی سنت (قاعدہ) یہ رہی ہے کہ جس قوم میں بھی اس نے رسول بھیجا اس کی زبان کو وہ جاننے والا تھا، تاکہ وہ اللہ کے پیغام کی اچھی طرح وضاحت کر سکے۔ اسی سنت الٰہی کے مطابق نبی عربی کا ظہور ہوا ہے۔ اور قرآن عربی میں نازل کیا گیا ہے، تاکہ وہ عرب قوم کو جو اس کی اولین مخاطب ہے، پوری وضاحت کے ساتھ اللہ کا پیغام پہنچا سکے اور اس پر اللہ کی حجت پوری طرح قائم ہو۔

۷؎ یعنی حجت قائم ہو جانے کے بعد قبول ہدایت کی توفیق ان ہی لوگوں کو نصیب ہوگی جو اللہ کی مشیت کے مطابق اس کے مستحق ٹھہریں گے۔

۸؎ مراد وہ تاریخی دن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرتناک واقعات ظہور میں آئے۔ کسی قوم پر عذاب کا کوڑا برسا اور کسی گروہ کو انعام سے سرفراز کیا گیا۔

۹؎ یعنی ان واقعات میں قوموں کے عروج و زوال کے تعلق سے رہنمائی کا کافی سامان موجود ہے۔ مگر اس رہنمائی سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جن کے اندر صبر و شکر کا مادہ ہوتا ہے۔ صبر یہ کہ اللہ سے اجر ملنے کی امید میں اس کی راہ میں پہنچنے والی تکلیفوں کو آدمی برداشت کرے۔ اور شکر یہ کہ اس نے دین کی جو نعمت عطاء فرمائی ہے اور اس کے روحانی سکون کا جو سامان کیا ہے اس کی وہ پوری پوری قدر کرے۔

۱۰؎ یعنی بنی اسرائیل سے کہا۔

۱۱؎ اس کی تشریح سورۂ اعراف نوٹ ۲۰۵؎ میں گذر چکی۔ بائبل میں ہے کہ مصر کے بادشاہ نے اس اندیشہ کے پیش نظر کہ اسرائیل تعداد میں زیادہ نہ ہو جائیں دائیوں کو حکم دیا تھا کہ عبرانی عورتوں کی جب وہ زچگی کریں تو:

''اگر بیٹا ہو تو اسے مار ڈالنا اور اگر بیٹی ہو تو وہ جیتی رہے۔۔۔۔ اور فرعون نے اپنی قوم کے سب لوگوں کو تاکیداً کہا تھا کہ ان میں جو بیٹا پیدا ہو تم اسے دریا میں ڈال دینا اور جو بیٹی ہو اُسے جیتی چھوڑ دینا۔'' (خروج: ۱: ۱۶، ۲۲)

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝۷

۷ اور جب تمہارے رب نے خبردار کیا تھا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں مزید دوں گا ۱۲؎۔ اور اگر ناشکری کرو گے تو (یاد رکھو) میری سزا بڑی سخت ہے۔ ۱۳؎

وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝۸

۸ اور موسیٰ نے کہا اگر تم اور وہ سب جو روئے زمین پر ہیں ناشکری کریں تو اللہ (کو کچھ پرواہ نہیں۔ وہ) بے نیاز اور خوبیوں والا ہے۔ ۱۴؎

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۭ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝۹

۹ کیا تمہیں ۱۵؎ ان لوگوں کی خبریں نہیں پہنچیں جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں؟ قوم نوح، عاد، اور ثمود اور وہ قومیں جو ان کے بعد ہوئیں۔ جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ۱۶؎۔ ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے لیکن انہوں نے اپنے منہ میں اپنے ہاتھ ٹھونس لئے ۱۷؎۔ اور کہا جس پیغام کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اس سے ہمیں انکار ہے اور جس بات کی طرف تم بلاتے ہو اس میں ہمیں شک ہے جس نے ہمیں الجھن میں ڈال دیا ہے۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۰

۱۰ ان کے رسولوں نے کہا، کیا تمہیں اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے؟ ۱۸؎ وہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہ بخشدے اور ایک مقررہ وقت تک مہلت دے ۱۹؎۔ انہوں نے کہا تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو۔ تم چاہتے ہو کہ ہمیں ان سے روک دو جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں۔ اچھا تو لاؤ کوئی کھلا معجزہ۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱

۱۱ ان کے رسولوں نے کہا، واقعی ہم تمہارے ہی جیسے آدمی ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے ۲۰؎۔ اور یہ بات ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ تمہیں کوئی معجزہ لا دکھائیں۔ ہاں اللہ کے حکم سے یہ بات ہوسکتی ہے۔ اور ایمان لانے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۭ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰي مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝۱۲

۱۲ اور ہم کیوں نہ اللہ پر بھروسہ کریں جب کہ اس نے ہماری راہیں ہم پر کھول دیں۔ ۲۱؎ ہم ان اذیتوں پر صبر کریں گے جو تم ہمیں دے رہے ہو۔ اور بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

۱۲؎ شکر میں تین باتیں لازماً شامل ہیں۔ ایک یہ کہ بندہ ہر اس نعمت کو جو اسے ملی اللہ کی نوازش سمجھے کسی اور کی نہیں۔ دوسری یہ کہ اس کے دل میں جذبۂ شکر پیدا ہو اور تیسری بات یہ کہ وہ اپنے محسن حقیقی کے ساتھ وفاداری اور عبادت و اطاعت کا طریقہ اختیار کرے۔ بندہ جب شکر گذاری کا طریقہ اختیار کرتا ہے تو وہ مزید انعام کا مستحق قرار پاتا ہے۔

۱۳؎ تورات میں یہ بات اس طرح موجود ہے: ''لیکن اگر تو ایسا نہ کرے کہ خداوند اپنے خدا کی بات سن کر اس کے سب احکام اور آئین پر جو آج کے دن میں تجھ کو دیتا ہوں احتیاط سے عمل کرے تو یہ سب لعنتیں تجھ پر نازل ہوں گی اور تجھ کو لگیں گی۔ شہر میں بھی تو ملعنتی ہوگا اور کھیت میں بھی لعنتی ہوگا۔'' (استثناء ۲۸: ۱۵۔۱۶)

۱۴؎ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے سب انس و جن، سب سے زیادہ فاجر شخص کے برابر ہو جائیں، تو اس سے میری سلطنت میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔'' (صحیح مسلم کتاب البر)

۱۵؎ اوپر موسیٰ علیہ السلام کا بیان ختم ہوا۔ یہاں خطاب قرآن کے مخاطبین سے ہے۔

۱۶؎ اشارہ ہے قوموں کی تاریخ کے اس جزء کی طرف جو پردۂ غیب میں چلا گیا ہے۔ قوم ثمود کا زمانہ غالباً ڈھائی ہزار سال قبل مسیح کا ہے۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک کتنی ہی قومیں ایسی ہوئیں جن میں رسول مبعوث ہوئے۔ اور ان کے انکار و سرکشی کے نتیجہ میں عذاب الٰہی کا کوڑا ان پر برسا۔ یہ تمام واقعات تاریخ کے اوراق میں آج محفوظ نہیں ہیں لیکن اللہ کے علم میں ضرور ہیں۔

جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے، یہاں بھی آثار پائے جاتے ہیں جن سے قوموں کی تباہی کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً ہڑپا (Harappa) جو پنجاب میں ہے اور موہن جودارو (Mohanjodaro) جو سندھ میں ہے نیز لوتھل (Lothal) جو گجرات میں ہے۔ یہ سب قدیم بستیاں ہیں جو اپنی پوری تہذیب اور تمدن کے ساتھ زمین میں دفن ہوئی تھیں۔ اور جن کا انکشاف اس دور میں ہوا ہے۔ ان آثار قدیمہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کی تہذیب مشرکانہ تھی۔ اس لئے عجب نہیں کہ ان قوموں کی طرف بھی رسول بھیجے گئے ہوں۔ اور ان کی دعوتِ توحید کو رد کر دینے کی پاداش میں اللہ کا عذاب زلزلہ کی صورت میں آیا ہو اور اس نے ان قوموں کو زمین میں دفن کر دیا ہو۔ یہ زمانہ قوم ثمود کے بعد اور ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کا، یعنی دو ہزار سال قبل مسیح سے بھی پہلے کا رہا ہوگا۔ تاریخ نے نہ ان قوموں کے نام محفوظ رکھے ہیں اور نہ ان کے رسولوں کے۔ ان کا علم اللہ ہی کو ہے۔ البتہ یہ آثار اس بات کی شہادت ضرور دیتے ہیں کہ قدیم ہندوستان میں بھی شرک اور کفر کے نتیجہ میں عذاب الٰہی کا کوڑا ضرور برس چکا ہے۔

۱۷؎ ہاتھ منہ میں ٹھونسنا ایک محاورہ ہے جس کا مطلب غیظ و غضب اور تعجب کا اظہار ہے۔

۱۸؎ یعنی ہم جو دعوت تمہارے سامنے پیش کر رہے ہیں، وہ توحید خالص کی دعوت ہے جس کی صحت شبہ سے بالاتر ہے۔ اس میں شک وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اس بنیادی حقیقت کے بارے میں شک ہو، کہ اس کائنات کو ایک خدا نے پیدا کیا ہے۔ اگر تمہیں یقین ہے کہ اس کائنات کا خالق اللہ ہی ہے تو پھر اس کے الٰہ واحد ہونے اور کے اس کے مستحق عبادت ہونے میں شک کے لئے کہاں گنجائش ہے؟

۱۹؎ یعنی توحید کی جو دعوت تمہارے سامنے پیش کی جا رہی ہے، اس کو اگر تم قبول کرو تو شرک اور معصیت کے جو کام تم اب تک کر چکے ہو ان کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا۔ اور تم پر عذاب نازل کرنے کے بجائے تم کو وقت مقررہ تک زندگی گذارنے کے لئے مہلت دے گا۔

۲۰؎ یعنی ہم نے یہ کب دعویٰ کیا کہ ہم انسان نہیں بلکہ کوئی اور مخلوق ہیں؟ ہم ہیں تو تم جیسے انسان ہی، لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے نواز کر رسالت کے منصب پر فائز کیا ہے۔ واضح ہوا کہ رسالت کا منصب ایسا نہیں ہے کہ انسان اپنی کوشش سے اس کو حاصل کر سکے، بلکہ یہ اللہ کا عطیہ اور فضل خاص ہے جسے چاہے اس سے نوازے۔

۲۱؎ انسان جب پورے شعور کے ساتھ اللہ پر ایمان لاتا ہے تو خدا اور مذہب کے تعلق سے اس کی ساری الجھنیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور اس کے لئے زندگی کے ہر میدان میں آگے بڑھنے اور کامیابی کی منزل تک پہنچنے کی راہیں کھل جاتی ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۳

۱۳ اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم تمہیں اپنے ملک سے نکال باہر کریں گے یا پھر تمہیں ہمارے مذہب میں لوٹ آنا ہوگا ۲۲؎۔ تو ان کے رب نے ان پر وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے۔

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ۝۱۴

۱۴ اور ان کے بعد تمہیں زمین میں بسائیں گے۔ یہ (صلہ) اس کیلئے ہے جو ڈرا میرے حضور کھڑے ہونے سے اور ڈرا میری تنبیہ سے۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝۱۵ۙ

۱۵ اور انہوں نے فیصلہ چاہا اور (فیصلہ اس طرح ہوا کہ) ہر سرکش ضدی نامراد ہوا۔ ۲۳؎

مِّنْ وَّرَآىِٕهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّاۗءٍ صَدِيْدٍ ۝۱۶ۙ

۱۶ اس کے آگے جہنم ہے ۲۴؎۔ اور اسے پیپ لہو پلایا جائے گا۔ ۲۵؎

يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَآىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۝۱۷

۱۷ جسے وہ گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے گا مگر حلق سے آسانی کے ساتھ اتار نہ سکے گا۔ موت ہر طرف سے اس پر آئے گی مگر وہ مر نہ سکے گا۔ اور آگے ایک سخت عذاب کا اسے سامنا کرنا ہوگا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِۨ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝۱۸

۱۸ جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے راکھ، کہ آندھی کے دن اسے ہوا تیزی کے ساتھ لے اُڑے ۲۶؎۔ جو کچھ انہوں نے کمایا اس سے کچھ بھی ان کو حاصل نہ ہو سکے گا۔ یہی ہے پرلے درجہ کی گمراہی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝۱۹ۙ

۱۹ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق لے آئے۔ ۲۷؎

وَّمَا ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝۲۰

۲۰ ایسا کرنا اللہ کے لئے کچھ دشوار نہیں۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝۲۱ۧ

۲۱ اور (ایسا ہوگا کہ) اللہ کے حضور سب حاضر ہوں گے اس وقت کمزور لوگ ان لوگوں سے جو بڑے بن کر رہے تھے کہیں گے ہم تو تمہارے تابع تھے۔ اب کیا تم ہم کو اللہ کے عذاب سے بچانے کیلئے کچھ کر سکتے ہو؟ وہ کہیں گے اگر اللہ نے ہم کو راہ دکھائی ہوتی تو ہم تم کو ضرور دکھاتے۔ اب ہمارے لئے یکساں ہے خواہ چیخ پکار کریں خواہ جھیل لیں۔ ہمارے لئے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ ۲۸؎

۲۲۔ یہ کافروں کا قول ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہ ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے ان کے مذہب پر ہو گئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے بھی دین فطرت یعنی توحید پر قائم رہے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ رسالت کے دعوے کے ساتھ توحید کا پرچار کرتے نظر نہ آتے تھے۔ اس لئے اختلاف عقیدہ کے باوجود ہم قوم ہونے کی بنا پر کافران کو اپنا ہم مذہب خیال کرتے تھے۔ انہوں نے جو دھمکی دی اس کا مطلب یہ ہے کہ توحید اور رسالت کا یہ پرچار چھوڑ دو اور اپنی سابقہ حالت پر واپس آجاؤ، تو ہم تم سے تعرض نہیں کریں گے۔

۲۳۔ یعنی دنیا ہی میں ان کا فیصلہ چکا دیا گیا۔ اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ کے عذاب نے رسولوں کے مخالفین کو ہلاک کر دیا اور ان کی دعوت قبول کرنے والوں کو بچا لیا گیا۔

۲۴۔ یعنی دنیا میں عذاب بھگتنے کے بعد انہیں آخرت میں جہنم سے واسطہ ہے۔

۲۵۔ عذاب کے اس تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اگر انسان اس پر غور کرے، تو اس کے دل میں رقت پیدا ہو جائے اور جہنم کے عذاب سے بچنے کی فکر اسے دامن گیر ہو۔

موقع کلام کے لحاظ سے یہ وعید ان لوگوں کو سنائی گئی جو رسول کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ اور اس کی پیروی کرنے والوں پر شدید مظالم ڈھا رہے تھے۔ گویا ان سے کہا گیا کہ تم سرکشی اور ظلم کی جیسی چاہو مثالیں قائم کرو آگے تمہارے لئے طرح طرح کے عذاب تیار ہیں۔ واضح رہے کہ سزا جنس عمل سے ہوتی ہے۔ ان کے عقائد خبیث تھے اور وہ خبیث غذائیں اور خبیث مال کھاتے رہے اس لئے وہ اس سزا کے مستحق ٹھہرے کہ پیپ جیسی خبیث چیز ان کو پینے کے لئے دی جائے۔

۲۶۔ یعنی کفر تمام اعمال کو بے حقیقت اور بے وزن بنا دیتا ہے خواہ وہ اعمال مذہبی مراسم ہوں، ظاہری نیکیاں ہوں یا خیراتی و رفاہی کام۔ جن لوگوں نے کفر کی اساس پر نیکی کے کام انجام دئے ہوں گے ان کو کفر کی آگ جلا کر راکھ کر دے گی۔ اس لئے ان کے سارے مذہبی کارنامے قیامت کے دن راکھ کا ڈھیر ثابت ہوں گے، جس کو قیامت کی آندھی لے اڑے گی۔

۲۷۔ یعنی جو شخص بھی کھلی آنکھوں سے اس کائنات کا مشاہدہ کرے گا اسے صاف دکھائی دے گا کہ اس کی تخلیق اور اس کے نظام میں کمال درجہ کی حکمت پائی جاتی ہے۔ کوئی چیز بھی خالی از مصلحت نہیں ہے۔ پھر انسان کی تخلیق بے مقصد کیسے ہو سکتی ہے جب کہ وہ اس بزم کارکن رکین ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان کو اس کے خالق نے ایک اعلیٰ مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا اس کو چاہئے کہ وہ اپنے مقصد وجود کو سمجھے اور اس کے مطابق زندگی گذارے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اللہ کا کچھ نہیں بگڑتا۔ وہ اپنے ہی کو ناکامیابی کے حوالہ کرتا ہے۔ اللہ تو اس بات پر قادر ہے کہ پوری انسانیت کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے اور اس کی جگہ کوئی نئی مخلوق لے آئے۔ انسان کو تو اس کا شکر گذار ہونا چاہئے کہ اس نے اسے یہ موقع عطاء کیا ہے، کہ دنیا کی امتحان گاہ سے سلامتی کے ساتھ گذر کر اس کی ابدی رحمت اور لازوال نعمتوں کا مستحق بن جائے۔

۲۸۔ یہ ان لیڈروں اور پیشواؤں کی بے بسی کی تصویر ہے جن کے پیچھے عوام آنکھیں بند کر کے چلتے رہے۔ اور یہ سمجھتے رہے کہ وہ ان کی صحیح رہنمائی کر رہے ہیں۔ قیامت کے دن جب دونوں کو اپنے اپنے جرم کی پاداش میں عذاب کی طرف ڈھکیلا جائے گا۔ تو ان لیڈروں اور پیشواؤں سے ان کے پیرو یہ درخواست کریں گے کہ ہمارے لئے عذاب سے چھٹکارے کی کوئی صورت نکالی جائے۔ مگر وہ اپنی بے بسی کا کھلے طور پر اعتراف کریں گے۔ اس وقت ان کے پیروؤں کو اس بات کا احساس ہوگا کہ دنیا میں ان کے پیچھے چل کر انہوں نے کیسی زبردست غلطی کی ہے۔

قرآن، قبل اس کے کہ لوگ اس انجام سے دوچار ہوں انہیں متنبہ کر رہا ہے کہ وہ ہوش کے ناخن لیں۔ اور گمراہ لیڈروں اور پیشواؤں کی باتوں میں نہ آئیں۔ رسول کی رہنمائی کو قبول کریں اور اپنے کو اس راہ پر ڈال دیں جو قرآن نے کھولی ہے۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾

۲۲ اور جب فیصلہ چکا دیا جائے گا تو شیطان بولے گا اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا سچا وعدہ۔ اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا تو وعدہ خلافی کی ۲۹؎۔ میرا تم پر کوئی زور نہ تھا البتہ میں نے تمہیں بلایا اور تم نے میرا بلاوا قبول کر لیا ۳۰؎۔ لہٰذا مجھے ملامت نہ کرو۔ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔ نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو۔ اس سے پہلے تم نے جو مجھے شریک ٹھہرایا تھا تو میں اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں ۳۱؎۔ ظالموں کیلئے تو دردناک عذاب ہے۔

وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

۲۳ اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے وہ ایسے باغوں میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی۔ اس میں وہ اپنے رب کے حکم سے ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں ان کی دعائے ملاقات سلام ہوگی۔ ۳۲؎

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿۲۴﴾

۲۴ کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے کس طرح کلمۂ طیبہ کی مثال بیان فرمائی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک اچھا درخت جس کی جڑ جمی ہوئی اور شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی۔

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵ وہ ہر وقت اپنے رب کے حکم سے پھل لاتا ہے ۳۳؎۔ اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ ہوش میں آئیں۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾

۲۶ اور کلمہ خبیثہ کی مثال ایک نکمے درخت کی سی ہے جو زمین کی سطح ہی سے اکھاڑ پھینکا جاتا ہے۔ اس کے لئے کوئی جماؤ نہیں۔ ۳۴؎

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ﴿۲۷﴾

۲۷ اللہ اہل ایمان کو مضبوط قول کے ذریعہ دنیا کی زندگی میں بھی مضبوطی عطا کرتا ہے اور آخرت میں بھی ۳۵؎۔ اور غلط کار لوگوں کو اللہ گمراہ کر دیتا ہے۔ اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ۳۶؎

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾

۲۸ تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل ڈالا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں جا اتارا؟ ۳۷؎

جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾

۲۹ (یعنی) جہنم جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾

۳۰ اور انہوں نے اللہ کے ہم سر بنائے ۳۸؎ تاکہ لوگوں کو اس کے راستہ سے بھٹکائیں۔ کہو مزے کر لو بالآخر تمہیں جانا دوزخ ہی میں ہے۔

۲۹۔ عدالت خداوندی جب یہ فیصلہ چکا دے گی کہ کون جزا کا مستحق ہے اور کون سزا کا۔ تو شیطان اپنے تمام پیروؤں کے سامنے اعتراف کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے آخرت کا تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ بالکل سچا تھا۔ اور اس کے مطابق آج سب کچھ پیش آ گیا۔ لیکن میں نے تمہیں جن جن باتوں کا یقین دلایا تھا وہ سب باتیں غلط اور جھوٹ ثابت ہوئیں۔ شیطان کا یہ اعتراف ان کے پیروؤں کے لئے زبردست طمانچہ ہوگا جس سے ان کی مایوسی اور ذلت میں اضافہ ہی ہوگا۔

واضح رہے کہ شیطان کے وعدے وہ خیالات ہوتے ہیں جو انسان کے دل میں وہ ڈالتا ہے۔ مثلاً یہ کہ فلاں اور فلاں کو پکارو تو وہ تمہاری مدد کو پہنچیں گے۔ یہ اور یہ ہستیاں خدا کے حضور تمہارے سفارشی ہیں۔ زندگی بس دنیا کی زندگی ہے مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں اس لئے دنیا میں خوب مزے اڑا لو۔ یہ اور اس قسم کی دوسری باتیں شیطان ذہن میں ڈالتا ہے۔ اور جب کوئی شخص ان باتوں کو قبول کر لیتا ہے تو وہ اس کی فکر بن جاتی ہے۔ موجودہ دور میں شیطان نے انسانی ذہن کو متاثر کرنے کے لئے جدید اسلوب اختیار کیا ہے وہ کہتا ہے ''خدا کو انسان نے پیدا کیا ورنہ اس کا کہیں کوئی وجود نہیں۔'' ''مذہب ایک اعصابی خلل ہے۔'' ''جو ہم نہیں جانتے اس کا قائل ہونا غلط ہے''۔ ''مادہ قائم بالذات ہے اور زندگی ایک جدلیاتی مادیت ہے۔'' وغیرہ

۳۰۔ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے یہ قوت نہیں بخشی ہے کہ وہ انسان کو گمراہی قبول کرنے اور بری باتوں پر عمل کرنے کے لئے مجبور کر دے۔ وہ جو کچھ کر سکتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ انسان کو گمراہی کی طرف بلائے اور بری باتوں کی ترغیب دے۔ اس لئے انسان شیطان کو الزام دے کر بری نہیں ہو سکتا۔ وہ خود اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔

۳۱۔ شیطان کے یہ کہنے کا مطلب کہ ''تم نے اس سے پہلے مجھے شریک ٹھہرایا تھا'' یہ ہے کہ دنیا میں تم میری اطاعت اس طرح کرتے رہے جس طرح اللہ کی اطاعت کی جاتی ہے۔ میرے کہنے سے تم نے توحید کا انکار کیا، غیر اللہ کو معبود ٹھہرایا، رسولوں کو جھٹلایا، آخرت کو نہ مانا، شریعت کا انکار کرتے رہے اور اپنی زندگی کی باگ ڈور میرے ہاتھ میں دیدی کہ میں اپنی مرضی کے مطابق تمہیں چلاؤں۔ اس طرح تم نے مجھے خدائی کے مقام پر بٹھا دیا۔

۳۲۔ یعنی جنت میں اہل ایمان کا خیر مقدم سلامتی کی مبارکباد سے ہوگا۔ اور ہر طرف سے ان کیلئے سلامتی کی صدائیں بلند ہوں گی۔ وہاں جب وہ ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے تو ان کے آدابِ ملاقات میں سلام کا کلمہ شامل ہوگا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جنت میں اہل ایمان کو کیسی پروقار زندگی نصیب ہوگی اور وہاں کا ماحول کتنا پرامن ہوگا۔ بخلاف اس کے دوزخی ایک دوسرے کو ملامت کریں گے اور ان پر ہر طرف سے پھٹکار پڑے گی۔

۳۳۔ کلمہ طیبہ کے معنیٰ اچھی اور پاکیزہ بات کے ہیں۔ اس سے مراد کلمہ توحید ہے جو اسلامی عقیدہ کی بنیاد اور ایمان کی اساس ہے۔ اس کی مثال ایک اچھے درخت سے دی گئی ہے جس کی جڑ زمین میں جمی ہوئی ہے اور شاخیں فضا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہی خصوصیت کلمۂ توحید کی ہے کہ اس کی جڑ انسانی فطرت کے اندر جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ یعنی کلمۂ توحید کی بنیاد پر عمل کا ایک تناور درخت وجود میں آتا ہے۔ اور اعمال صالح ہونے کی بنا پر بلندی کی طرف چڑھتے ہیں اور خوب نشوونما پاتے ہیں۔ پھر یہ مثالی درخت جس طرح ہر وقت پھل دیتا ہے اسی طرح کلمۂ توحید کا فیضان ہر وقت جاری رہتا ہے اور آخرت میں اس کے ثمرات و برکات کا ظہور ہمیشگی کی نعمتوں کی شکل میں ہوگا۔

۳۴۔ کلمۂ خبیثہ کے معنیٰ بری اور ناپاک بات کے ہیں۔ مراد باطل کلمہ ہے خواہ وہ شرک ہو، الحاد ہو یا کفر، اس کی مثال ایسی ہے جیسے نکما درخت یعنی جھاڑ جھنکار، جس کی جڑیں زمین میں جمی ہوئی نہیں ہوتیں۔ اسی طرح کلمۂ باطل کی جڑ انسانی فطرت کے اندر جمی ہوئی نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کو آسانی سے اکھاڑ پھینکا جا سکتا ہے۔ یہ ایک بے فیض کلمہ ہے جو انسان کو اعمال صالحہ سے محروم کر دیتا ہے اور آخرت میں نامرادی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

۳۵۔ قول ثابت (مضبوط قول) سے مراد کلمۂ توحید ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کلمۂ توحید کو قبول کر لیتے ہیں یعنی ایمان لاتے ہیں ان کو ایک مضبوط اساس فراہم ہوتی ہے۔ اس اساس پر ان کے عقائد میں مضبوطی، ان کے خیالات اور ان کے کردار میں استحکام پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس کارزار حیات میں اللہ تعالیٰ انہیں استحکام اور ثابت قدمی عطاء فرماتا ہے۔ اور جب وہ قبر یعنی عالم برزخ میں پہنچتے ہیں تو وہاں بھی انہیں استقلال حاصل ہوتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :''مسلمان سے جب قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔یہی بات ہے جس کے بارے میں ارشاد ہوا ہے، **یُثَبِّتُ اللّٰہ** ۔۔۔۔۔الخ۔اللہ ایمان والوں کو مضبوط قول کے ذریعہ دنیا کی زندگی میں بھی مضبوطی عطاء فرماتا ہے اور آخرت میں بھی۔''(بخاری کتاب التفسیر)

اسی طرح قیامت کے دن انہیں موقف کی مضبوطی حاصل ہوگی جس کی بدولت وہ ابدی کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔

۳۶۔ واضح رہے کہ اللہ کا چاہنا اس کی حکمت کے مطابق اور اس کے تمام فیصلے حکیمانہ ہوتے ہیں۔

۳۷۔ اشارہ قریش کی طرف ہے جنہیں عرب قوم کی قیادت حاصل تھی۔اور جنہوں نے مشرکانہ طور طریقے رائج کر کے قوم کو تباہی کے گڑھے میں دھکیل دیا۔

۳۸۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ۲۹۔ اور ۲۰۰۔ ۔

میرے بندوں سے جو ایمان لائے ہیں، کہہ دو نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کریں۔ قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی کام آئے گی۔ اللہ ہی نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اوپر سے پانی برسایا اور اس کے ذریعہ تمہارے رزق کیلئے پھل پیدا کئے۔ اور تمہارے لئے کشتی کو مسخر کیا کہ اس کے حکم سے سمندر میں چلے۔ اور تمہارے لئے دریا مسخر کر دئے۔ اور تمہارے لئے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا کہ ایک طریقہ پر کاربند ہیں۔ نیز رات اور دن کو بھی مسخر کر دیا۔ اس نے تمہاری ہر طلب پوری کر دی۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہوں تو گن نہیں سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی نا انصاف بڑا ہی ناشکرا ہے۔ (القرآن)

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ
يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾

۳۱ میرے بندوں سے جو ایمان لائے ہیں، کہہ دو نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کریں ۳۹؎ قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی کام آئے گی۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ
مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ
بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾
وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
دَآئِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾
وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ
لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾

۳۲ اللہ ہی نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اوپر سے پانی برسایا اور اس کے ذریعہ تمہارے رزق کیلئے پھل پیدا کئے۔ اور تمہارے لئے کشتی کو مسخر کیا کہ اس کے حکم سے سمندر میں چلے۔ اور تمہارے لئے دریا مسخر کر دئے۔ ۴۰؎

۳۳ اور تمہارے لئے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا کہ ایک طریقہ پر کاربند ہیں۔ نیز رات اور دن کو بھی مسخر کر دیا۔ ۴۱؎

۳۴ اس نے تمہاری ہر طلب پوری کر دی ۴۲؎۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہیں سکتے ۴۳؎۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی ناانصاف بڑا ہی ناشکرا ہے۔ ۴۴؎

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا
الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾

۳۵ اور (یاد کرو) جب ابراہیم نے دعا کی تھی کہ اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا ۴۵؎۔ اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے بچا کہ بتوں کی پوجا کرنے لگیں۔ ۴۶؎

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ
تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾

۳۶ اے میرے رب ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے ۴۷؎۔ تو جو میری پیروی کرے وہ میرا ہے۔ اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ ۴۸؎

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ
ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا
الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ
وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷ اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد میں سے بعض ۴۹؎ کو ایک ایسی وادی میں جہاں کاشت نہیں ہوتی ۵۰؎ تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے ۵۱؎۔ اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں۔ ۵۲؎ لہٰذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے۔ ۵۳؎ اور پھلوں سے ان کو رزق بہم پہنچا ۵۴؎۔ تاکہ وہ شکر گذار بنیں۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفٰى
عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾

۳۸ اے ہمارے رب! تو جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔ اور اللہ سے کوئی چیز بھی چھپی ہوئی نہیں، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔ ۵۵؎

۳۹۔ مکہ میں جب شریعت کے ابتدائی احکام ہی نازل ہوئے تھے۔نماز کا اہتمام کرنے اور اللہ کی خاطر خرچ کرنے کا حکم تاکید کے ساتھ دیا گیا ہے۔جس سے ان دونوں چیزوں کی اہمیت واضح ہوتی ہے نیز اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ایک مسلمان پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو اسے اللہ کی خاطر انفاق کرتے رہنا چاہئے۔اور یہ انفاق دونوں طریقے سے مطلوب ہے پوشیدگی میں بھی اور علانیہ بھی۔پوشیدگی میں جو خرچ اللہ کیلئے کیا جاتا ہے وہ ریا اور نمائش سے پاک ہوتا ہے۔اور علانیہ کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے دوسروں کو انفاق کی ترغیب ہوتی ہے لیکن اس صورت میں بھی اسے ریا اور نمائش سے پاک رکھنا ضروری ہے۔

۴۰۔ یہ اللہ کی ربوبیت (پروردگاری) پر استدلال ہے کہ تمہاری پرورش کا یہ سارا کام اسی نے کر رکھا ہے تو تم نے دوسروں کو خدا کس طرح بنالیا۔پرورش کے اس پورے نظام میں کیا کسی کا کوئی حصہ ہے؟ اگر نہیں اور واقعہ یہ ہے کہ کسی کا کوئی حصہ نہیں ہے تو پھر وہ خدا کہاں سے ہوئے؟ اور عبادت جو سراسر اللہ کا حق ہے اس میں دوسروں کو شریک کرنے کے کیا معنیٰ؟

۴۱۔ مسخر کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ چیزیں انسان کے تابع کر دی گئی ہیں جیسا کہ لوگ عام طور سے سمجھتے ہیں۔کیونکہ دن اور رات بہر حال انسان کے تابع نہیں ہیں۔بلکہ مسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں انسان کی خدمت میں لگا دی گئی ہیں اور ان کے ذریعہ انسان کی نفع رسانی کا سامان کر دیا گیا ہے۔

۴۲۔ یعنی انسان کو جو طبعی ضرورتیں تھیں وہ سب پوری کر دیں۔مثال کے طور پر سانس لینے کے لئے ہوا، پیاس بجھانے کے لئے پانی، بھوک مٹانے کے لے غذا اور جنسی خواہش کو پورا کرنے کیلئے جوڑے کی ضرورت تھی۔ان تمام ضرورتوں کو جو انسان کی فطری مانگیں ہیں پورا کرنے کا انتظام اس کے خالق نے کر دیا۔اسی طرح اس کی فطرت کی اہم ترین مانگ ہدایت ہے۔اور اس کو پورا کرنے کا انتظام بھی اس کے خالق نے کر دیا۔

۴۳۔ انسان اگر غور کرے تو وہ اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہے گا، کہ اس کے خالق نے اس کو ان گنت نعمتوں سے نوازا ہے اور اس کے اس پر بے شمار احسانات ہیں۔اگر وہ کھانے کے ایک لقمہ ہی پر غور کر لے تو شکر کا جذبہ اس کے اندر ابھرنے لگے، کہ اس کے رب نے اس لقمہ کو تیار کرنے کے لئے کیسے کیسے اسباب کئے۔آسمان و زمین، بارش، ہواؤں اور سورج کی گرمی وغیرہ کو اس نے کس طرح ساز گار بنایا کہ بیج مختلف مرحلوں سے گذر کر غلہ بنا۔اور غلہ مختلف مرحلوں سے گذر کر لقمہ بن گیا جس کو اب وہ مزے کے ساتھ کھا رہا ہے۔

انسان کے لئے جب اپنے بالوں کو یا آسمان کے تاروں کو گننا ممکن نہیں ہے، تو وہ اللہ کی نعمتوں کو کیونکر گن سکتا ہے؟

۴۴۔ یہ عام انسان کا حال بیان ہوا ہے کہ وہ نہ اپنے رب کا حق ادا کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔اور نہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے۔

۴۵۔ اس شہر سے مراد مکہ ہے۔اور اس کو امن والا شہر بنانے کی دعا ابراہیم علیہ السلام نے اسلئے کی تھی، تاکہ اس کی یہ امتیازی خصوصیت لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ کرتی رہے، کہ اس کی یہ خصوصیت اس کے مرکز توحید ہونے کی بنا پر ہے۔اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو شرک اور بت پرستی سے بالکل پاک رکھا جائے۔

اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور مکہ کو حرم ٹھہرا کر وہاں لڑائی ہمیشہ کیلئے ممنوع قرار دی۔

۴۶۔ اس زمانہ میں بت پرستی کا فتنہ عام تھا۔اور ماحول کے دباؤ کے تحت انسان اس قسم کے فتنوں کا بہ آسانی شکار ہو جاتا ہے۔اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لئے اور اپنی اولاد کیلئے اس سے بچنے کی دعا کی۔کہ توفیق الٰہی کے بغیر آدمی اس فتنہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

۴۷۔ یعنی یہ بت بکثرت لوگوں کی گمراہی کا باعث بنے ہیں۔ابراہیم علیہ السلام کا یہ بیان ایک تاریخی حقیقت ہے۔چنانچہ دنیا کی بڑی بڑی قومیں بت پرستی میں مبتلا رہی ہیں اور قوم نوح سے لیکر آج تک یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔موجودہ دور کے انسان نے اگرچہ زبردست علمی ترقی کی ہے، مگر بڑی بڑی متمدن قومیں بت پرستی کے معاملہ میں اسی جہالت میں مبتلا ہیں، جس میں ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کی قومیں مبتلا تھیں۔بت پرستی کا سراسر نامعقول ہونا بالکل ظاہر ہے۔لیکن اس کا جادو قوموں پر ایسا چلا کہ وہ اس سے چمٹ کر رہ گئیں۔اور ہمارے ملک میں ایسے مناظر بھی دیکھنے میں آتے ہیں کہ بت پرست، پہلے اپنے ہاتھ سے اپنے خداؤں کو ڈھال لیتے ہیں اور پھر ان کی بارات نکال کر اپنے ہاتھوں ان کو دریا برد کرتے ہیں۔یہ عقل کا دیوالیہ پن اور پرلے درجہ کی گمراہی نہیں تو اور کیا ہے؟

۴۸۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی نافرمانی کرنے والوں کے معاملہ کو اللہ کے حوالہ کرتے ہوئے اس کی ان دو صفتوں کا ذکر کیا، جس سے مقصود اس بات کا اظہار ہے کہ تیری طرف سے عفو و درگذر اور فیضانِ رحمت میں کمی نہیں ہو سکتی، البتہ اگر بندے اس کے اہل قرار نہ پائیں تو اور بات ہے۔

۴۹۔ یعنی اسمٰعیل کو۔

۵۰۔ مراد مکہ کی بے آب و گیاہ زمین ہے جو پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے۔ بیت اللہ کے لئے کسی سرسبز و شاداب خطہ کے بجائے اس صحرائی زمین کا انتخاب اس لئے کیا گیا تا کہ لوگوں کے لئے وجہ کشش دنیا کی رعنائیاں نہیں، بلکہ دین کی دولت بنے۔ اور ایک پر کیف ماحول انہیں میسر آ جائے جہاں ایمان کی پرورش اور روح کی بالیدگی کا بھرپور سامان ہو۔

۵۱۔ محترم گھر سے مراد خانہ کعبہ ہے جو نہایت مقدس اور نہایت قابل احترام ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد میں سے اسمٰعیل علیہ السلام کو مکہ میں بسایا اور اسحاق علیہ السلام کو فلسطین میں۔ اسمٰعیل علیہ السلام سے جو نسل چلی وہ بنی اسمٰعیل کہلائی، قریش ان ہی کی نسل سے ہیں اور محمد ﷺ ان ہی میں مبعوث ہوئے۔ ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا سے ایک بات تو یہ واضح ہوئی کہ یہ دعا انہوں نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کے بعد کی تھی اور دوسری یہ کہ انہوں نے اپنے بیٹے اسمٰعیل کو اس وقت مکہ میں بسایا جب کہ خانۂ کعبہ کی تعمیر مکمل ہو چکی تھی۔ قرآن نے دوسری جگہ واضح کیا ہے کہ خانۂ کعبہ کی تعمیر میں ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اسمٰعیل علیہ السلام بھی شریک تھے۔ رہ گئیں وہ روایتیں جن میں اسمٰعیل کو جب کہ وہ ابھی شیر خوار بچہ تھے ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کے ساتھ مکہ کے ریگستان میں تنہا چھوڑ کر جانے کا عجیب و غریب قصہ بیان ہوا ہے۔ تو یہ روایتیں نہ قرآن کے اس بیان سے مطابقت رکھتی ہیں اور نہ قرین قیاس ہیں۔ نیز ان روایتوں کی نسبت نبی ﷺ کی طرف صحیح نہیں جیسا کہ علامہ سید سلیمان ندوی نے ارض القرآن میں لکھا ہے:

''اس سے (یعنی سورۂ ابراہیم کی آیت ۳۹) سے ثابت ہوتا ہے کہ اسمٰعیل کے مکہ آنے کے وقت اسحاق پیدا ہو چکے تھے۔ تورات سے ثابت ہے کہ اسمٰعیلؑ اسحاق سے تیرہ برس بڑے تھے۔ بخاری کی کتاب الرویا اور کتابُ الانبیاء میں حضرت ابن عباس کی جو حدیث اسمٰعیل کی شیر خوارگی کے متعلق ہے وہ مرفوع نہیں ہے۔ یعنی اس کا سلسلہ آنحضرت تک نہیں پہنچتا (بجز چند خاص ضمنی فقروں کے)۔ اس لئے وہ حضرت ابن عباس کی اسرائیلیات میں سے ہے اور اس کا ثبوت آج بھی موجود ہے۔ بخاری میں اس کے متعلق جو طویل حدیث ہے جو بجز جرہم اور مکہ کے ذکر کے مدراش اور تالمود میں بعینہ حرف بہ حرف مذکور ہے۔''

(ارض القرآن ج ۲ ص ۴۴۰)

اور علامہ ابن کثیر نے اس طویل حدیث کو جس میں اسمٰعیل کی شیر خوارگی کی حالت میں مکہ میں چھوڑنے کا ذکر ہے نقل کر کے لکھا ہے:

''یہ حدیث ابن عباس کا کلام ہے البتہ اس کا ایک حصہ مرفوع ہے (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے) اور اس کے ایک حصہ میں غرابت (عجیب باتیں) ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس نے اس کو اسرائیلیات سے لیا ہے اور اس میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ اس وقت اسمٰعیل شیر خوار بچہ تھے۔''

(البدایۃ والنہایۃ ج ۱ ص ۱۵۶)

۵۲۔ نماز بیت اللہ کی تعمیر کا اولین مقصد ہے اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل کو یہاں اس لئے بسایا تھا کہ ان سے جو نسل چلے وہ بیت اللہ کے زیر سایہ نماز قائم کرے۔ لیکن قریش نے جو ان کی نسل سے ہیں نماز کی جگہ بت پرستی اختیار کر لی۔ ابراہیم کے طریقہ سے یہ کتنا بڑا انحراف ہے جو قریش نے کیا!

۵۳۔ اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف اس طرح مائل کر دیا کہ بنی اسمٰعیل پورے عرب کا مرجع بن گئے۔

۵۴۔ اس کی تشریح سورۂ بقرہ نوٹ ۱۴۶۔ میں گذر چکی۔

۵۵۔ یعنی اللہ کو ہمارے دل کا حال بھی معلوم ہے اور اس سے زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں۔

شکر ہے اللہ کا جس نے مجھے بڑھاپے
میں اسمٰعیل اور اسحاق عطا فرمائے ۔ یقیناً میرا رب
دعائیں سننے والا ہے ۔ اے میرے رب ! مجھے نماز قائم
کرنے والا بنا اور میری اولاد کو بھی ۔ اے ہمارے رب ! میری
دعا قبول فرما ۔ اے ہمارے رب ! مجھے اور میرے والدین
کو اور مؤمنوں کو اس دن بخشدے جس دن حساب
قائم ہوگا ۔ (القرآن)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ
وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾

۳۹ شکر ہے اللہ کا جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحاق عطا فرمائے ۵۶ ۔ یقیناً میرا رب دعائیں سننے والا ہے۔

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ
رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾

۴۰ اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد کو بھی۔ اے ہمارے رب! میری دعا قبول فرما۔ ۵۷

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ
وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾

۴۱ اے ہمارے رب! مجھے اور میرے والدین کو اور مؤمنوں کو اس دن بخشدے جس دن حساب قائم ہوگا۔ ۵۸

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ؕ
اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾

۴۲ یہ ظالم جو کچھ کر رہے ہیں اس سے تم اللہ کو غافل نہ سمجھو۔ ۵۹ وہ تو ان کو اس دن تک کے لئے مہلت دے رہا ہے جب آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ ۶۰

مُهْطِعِیْنَ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِهِمْ
لَا یَرْتَدُّ اِلَیْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾

۴۳ سر اٹھائے ہوئے بھاگ رہے ہوں گے ۶۱ ۔ نگاہیں ہیں کہ لوٹ کر آنے والی نہیں ۶۲ ۔ اور دل ہیں کہ اڑے جاتے ہیں۔ ۶۳

وَاَنْذِرِ النَّاسَ یَوْمَ یَاْتِیْهِمُ الْعَذَابُ فَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ
ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ
الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾

۴۴ لوگوں کو اس دن سے خبر دار کر دو جب کہ عذاب ان کو آلے گا ۶۴ ۔ اس وقت ظالم کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں تھوڑی سی مدت کے لئے مہلت دیدے۔ ہم تیری دعوت قبول کریں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے۔ کیا تم اس سے پہلے قسمیں کھا کھا کر نہیں کہتے تھے کہ ہمیں (دنیا سے) منتقل ہونا نہیں ہے۔ ۶۵

وَسَكَنْتُمْ فِیْ مَسٰكِنِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَیَّنَ لَكُمْ كَیْفَ
فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾

۴۵ اور تم ان لوگوں کی بستیوں میں بس گئے تھے جنہوں نے اپنے ہی اوپر ظلم کیا تھا ۶۶ ۔ اور تم پر واضح ہوا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا اور تمہارے لئے ہم نے مثالیں بھی بیان کر دی تھیں۔ ۶۷

وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ
وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾

۴۶ اور انہوں نے طرح طرح کی چالیں چلیں اور اللہ کے پاس ان کی ہر چال کا جواب تھا، اگر چہ ان کی چالیں ایسی تھیں کہ پہاڑ ٹل جائیں۔ ۶۸

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾

۴۷ پس تم یہ خیال نہ کرو کہ اللہ نے اپنے رسولوں سے جو وعدہ کیا ہے اس کے خلاف کریگا ۶۹ ۔ اللہ غالب ہے اور سزا دینے والا ہے۔ ۷۰

یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ
وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾

۴۸ وہ دن کہ جب یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی ۷۱ ۔ اور سب اللہ واحد وقہار (زبردست) کے حضور حاضر ہوں گے! ۷۲

۵۶۔ واضح ہوا کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی تو اس وقت ان کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق کی ولادت ہو چکی تھی۔ بائبل کا بیان ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی پیدائش کے وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۸۶ رسال اور حضرت اسحاق کی پیدائش کے وقت ۱۰۰ رسال تھی۔ یعنی حضرت اسحاق حضرت اسمٰعیل کے ۱۴ رسال بعد پیدا ہوئے اور دونوں کی پیدائش کنعان (فلسطین) میں ہوئی تھی:

''اور جب ابرہام سے ہاجرہ کے اسمٰعیل پیدا ہوا تب ابرہام چھیاسی برس کا تھا۔'' (پیدائش ۱۶: ۱۶)

''اور جب اس کا بیٹا اسحاق اس سے پیدا ہوا تو ابرہام سو برس کا تھا۔'' (پیدائش : ۲۱:۵)

گویا خانہ کعبہ کی تعمیر اور اسمٰعیل کو مکہ میں بسانے کا واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ اسمٰعیل کی عمر چودہ سال سے زیادہ تھی۔

۵۷۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابراہیم کی شریعت میں بھی نماز کو اولین اہمیت حاصل تھی۔ اور یہ دین کا وہ ستون ہے جس کو قائم کرنے کے لئے ایک مؤمن اللہ سے توفیق طلب کرے، نیز اپنی اولاد کے حق میں بھی دعا کرے وہ نماز قائم کرنے والے بن جائیں۔

۵۸۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کیلئے جو دعائے مغفرت کی تھی اس کی تشریح سورہ توبہ نوٹ ۲۱۰۔ اور ۲۱۱۔ میں گذر چکی۔ اس موقع پر مذکورہ نوٹ پیش نظر رہیں۔ ''جس دن حساب قائم ہوگا'' سے مراد قیامت کا دن ہے جب ہر شخص کی اللہ کے حضور پیشی ہوگی اور اسے اپنی عملی زندگی کا حساب پیش کرنا ہوگا۔

ابراہیم علیہ السلام کی اس اہم ترین دعا سے بائبل کے صفحات خالی ہیں مگر قرآن نے اس کو محفوظ کر لیا۔ اس سے معترضین کے اس الزام کی آپ سے آپ تردید ہوتی ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بائبل کی خوشہ چینی کی ہے۔

۵۹۔ خطاب اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ مگر مقصود عام لوگوں کو خبردار کرنا ہے کہ حق کی مظلومیت اور باطل کے غلبہ کو دیکھ کر کوئی شخص اس غلط خیالی میں مبتلا نہ ہو کہ یہ دنیا اندھیر نگری ہے۔ اور خدا اس بات سے بے خبر ہے کہ اس دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے خدا اچھی طرح باخبر ہے۔ لیکن چونکہ اس نے حساب اور جزا و سزا کے لئے قیامت کا دن مقرر کر رکھا ہے، اس لئے وہ لوگوں کو مہلت دے رہا ہے کہ وہ اچھا برا جس طرح چاہیں طرز عمل اختیار کریں۔ یہ اندھیر نگر نہیں بلکہ حکیمانہ منصوبہ بندی ہے۔

۶۰۔ یعنی قیامت کے دن ایسے ہولناک مناظر سامنے آئیں گے کہ غلط کار لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ وہ قیامت پر یقین نہیں رکھتے تھے اس لئے یہ مناظر دیکھ کر حیران ہوں گے کہ ہم کس دنیا میں پہنچ گئے!

۶۱۔ قبر سے اٹھنے کے بعد وہ اپنے موقف (پیشی کی جگہ) کی طرف بھاگیں گے۔ اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کے لئے ان کو کتنا طویل فاصلہ طے کرنا پڑے گا۔

۶۲۔ یعنی دہشت اور خوف کی وجہ سے وہ ٹکٹکی باندھ کر دیکھیں گے۔

۶۳۔ غم اور خوف کی شدت سے ان کا برا حال ہو رہا ہوگا۔ اور ان کے دلوں کی کیفیت یہ ہوگی کہ گویا اڑے جا رہے ہیں۔ اصل میں دلوں کو مضبوطی عطا کرنے والی چیز ایمان ہے۔ اور جب ان کے دل ایمان سے خالی رہے ہوں۔ تو قیامت کے دن ان کے حواس باختہ ہونا اس کا لازمی نتیجہ ہوگا۔

۶۴۔ قیامت کے عذاب سے لوگوں کو خبردار کرنے کا یہ تاکیدی حکم، اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ دعوت قرآنی کا یہ اہم ترین نکتہ ہے، جسے پوری طرح کھول کر اور نہایت پرزور طریقہ پر لوگوں کے سامنے پیش کیا جانا چاہئے۔

موجودہ غافل دنیا کو جھنجھوڑنا اور قیامت کے عذاب سے انہیں خبردار کرنا پیروانِ قرآن کا اہم ترین فریضہ بھی ہے اور وقت کا سب بڑا تقاضہ بھی۔

۶۵۔ یعنی پورے وثوق کے ساتھ تم یہ کہتے تھے کہ دنیا سے منتقل ہو کر تمہیں کہیں جانا نہیں ہے۔ زندگی بس اس دنیا ہی کی زندگی ہے اور آخرت کا کہیں وجود نہیں ہے۔ اب تمہیں اپنی خام خیالی کا احساس ہو گیا جب کہ امتحان کا وقت گذر چکا۔ یہ گھڑی تو نتائج کے ظہور میں آنے کی ہے۔

۶۶۔ مراد ملک عرب ہے جس کے مختلف علاقوں میں ہلاک شدہ قوموں کے آثار پائے جاتے ہیں۔مثلاً وادیٔ حجر میں قوم ِثمود کے آثار وغیرہ۔

۶۷۔ یعنی تمہاری عبرت اور نصیحت کے لئے تاریخی واقعات بھی پیش کئے گئے تھے اور طرح طرح کی مثالیں بھی بیان کی گئی تھیں۔ چنانچہ اس سورہ میں کلمۂ طیبہ اور کلمۂ خبیثہ کی مثالیں گذر چکیں۔لیکن تم نے کسی بات سے بھی کوئی سبق نہ لیا۔

۶۸۔ یعنی ان قوموں نے رسولوں کے خلاف زبردست چالیں چلی تھیں۔لیکن اللہ نے ان کی ہر چال کو ناکام بنادیا تھا۔تو کیا اب تم (اے قریش!) یہ امید رکھتے ہو کہ ہمارے رسول کے خلاف تمہاری سازشیں کامیاب ہوں گی؟

۶۹۔ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور مقصود آپ کو اور آپ کے پیروؤں کو اطمینان دلانا ہے، کہ وہ مخالفین کی چالوں سے آزردہ نہ ہوں۔جس طرح اللہ سابق میں اپنے رسولوں کی مدد کرتا رہا ہے اسی طرح وہ اپنے اس رسول کی بھی مدد فرمائے گا۔ممکن نہیں کہ اللہ کا وعدہ پورا نہ ہو۔

۷۰۔ اللہ غالب ہے اس لئے سب اس کے قابو میں ہیں۔اور وہ سزا دینے والا ہے اس لئے وہ ان ظالموں کو، جو اس کے رسول کی مخالفت کرتے اور اس کے خلاف چالیں چلتے ہیں ضرور سزا دے گا۔

۷۱۔ قیامت کے دن زمین و آسمان میں ایسی تبدیلیاں (Changes) لائی جائیں گی کہ وہ ایک نئی ہیئت اور نئے نظام کے ساتھ وجود میں آجائیں گے۔ حدیث میں حشر کی زمین کی ہیئت اس طرح بیان کی گئی ہے:

یحشر الناس یوم القیامة علی ارضٍ بیضاء عفراءَ کقرصه النقی لیس فیها معلم لاحدٍ (بخاری کتاب الرقاق)

''قیامت کے دن لوگوں کو سفید سرخی مائل زمین پر جمع کیا جائے گا جو میدے کی روٹی کی ٹکیہ کی طرح ہوگی۔اس پر کسی کے مکان وغیرہ کا نشان نہ ہوگا۔''

جب ماضی میں مادہ میں بہت سے تغیرات رونما ہوتے رہے، یہاں تک کہ اس نے موجودہ زمین کی شکل اختیار کر لی۔تو آئندہ اس کی ساخت میں تبدیلی کا رونما ہونا ہرگز بعید نہیں ہے۔اور اس کا خالق یقیناً اس بات پر قادر ہے کہ اس کے عناصر ترکیبی اور اس کے طبعی قوانین کو بدل دے۔

غرضیکہ کہ قیامت کے دن موجودہ دنیا ایک نئی دنیا سے بدل جائے گی۔جس کے زماں اور مکاں بالکل مختلف ہوں گے۔اور اس وقت لوگوں کو اللہ کی قدرت کا صحیح اندازہ ہو جائے گا۔اور وہ جان لیں گے کہ اللہ ان کی دنیا کو نئی دنیا سے بدل دینے پر قادر تھا۔

۷۲۔ قیامت کے دن انسان، انسان ہی کی حیثیت سے اٹھے گا یعنی روح اور جسم کے ساتھ۔اور تمام شاہ ہو یا گدا، مرد ہو یا عورت اور معمولی ہو یا ممتاز شخصیت سب کی اللہ کے حضور پیشی ہوگی تاکہ وہ دنیا میں جو کچھ کرتے رہے ہیں اس کی جوابدہی کریں۔اور اپنے عمل کے مطابق جزا و سزا پائیں۔

یہ ہے قرآن کا تصور آخرت جو عقل اور انصاف کے ترازو میں پورا اترتا ہے۔اس کے بالمقابل مشرکین ہند، آواگوان کے نظریہ پر یقین رکھتے ہیں جسمیں روح ایک جسم سے دوسرے جسم میں، کبھی انسان میں کبھی حیوان میں بدلتی رہتی ہے۔اور اپنے رب کے حضور حاضری کی نوبت آتی ہی نہیں ہے۔خدا کے حضور حاضر نہ ہونے کا یہ تصور عقل و انصاف کے سراسر خلاف اور قرآن کی رو سے بالکل باطل ہے۔

❑❑❑❑❑❑

یہ ایک پیغام ہے تمام انسانوں کے لئے ۔اور اس لئے بھیجا
گیا ہے تا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو خبردار کر دیا جائے اور وہ
جان لیں کہ وہی بس ایک خدا ہے۔ اور جو سوجھ بوجھ رکھتے
ہیں، وہ یاددہانی حاصل کریں۔ (القرآن)

وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿٤٩﴾

سَرَابِيلُهُم مِّن قَطِرَانٍ وَتَغْشَىٰ وُجُوهَهُمُ النَّارُ ﴿٥٠﴾

لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٥١﴾

هَٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٥٢﴾

۴۹ اور تم اس دن مجرموں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔

۵۰ ان کے لباس تارکول کے ہوں گے اور چہروں پر آگ چھائی ہوئی ہوگی۔

۵۱ یہ اس لئے ہوگا کہ اللہ ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ دے۔ بلا شبہہ وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے۔

۵۲ یہ ایک پیغام ہے تمام انسانوں کے لئے ۷۳ ۔ اور اس لئے بھیجا گیا ہے تا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو خبردار کر دیا جائے اور وہ جان لیں کہ وہی بس ایک خدا ہے۔ اور جو سوجھ بوجھ رکھتے ہیں، وہ یاددہانی حاصل کریں۔ ۷۴

۷۳؎ یعنی قرآن اللہ کا پیغام ہے اور یہ پیغام عربوں کے لئے خاص نہیں بلکہ دنیا کی تمام قوموں اور تمام انسانوں کے لئے ہے۔

۷۴؎ یہ ہے کہ قرآن کا اصل مشن (Mission) اولاً خدا اور آخرت سے غافل لوگوں کو جگانا اور انہیں اس کے نتائج بد سے آگاہ کرنا۔

ثانیاً توحید یعنی اس حقیقت سے لوگوں کو واقف کرانا کہ اللہ کے سوا نہ کسی خدا کا وجود ہے اور نہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق ہے۔

ثالثاً جو عقل سے کام لینے والے ہیں ان کے لئے تذکیر، تاکہ وہ دنیا میں ایک ذمہ دارانہ زندگی گذاریں۔

❑❑❑❑❑❑